قرآنی نظامِ ربوبیّت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

قیمت فی پرچہ
۴
چار روپے

ٹیلیفون
875908
خط و کتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵/بی گلبرگ۲ لاہور

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان ——— ۴۸ روپے
غیر ممالک ——— ۱۱۰ روپے

جلد (۴۰) | مئی ۱۹۸۷ء | نمبر ۵

فہرست

۱۔ لمعات۔ ۲
۲۔ اِک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو۔ ۱۱
(استقبالیہ کنونشن ۱۹۸۷ء)
۳۔ فکرِ پرویز ایک زندہ حقیقت۔ (محترم محمد اسلام کراچی) ۱۹
۴۔ رپورٹ۔ ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) ۳۵
۵۔ رپورٹ۔ طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ۳۷
(محترمہ زاہدہ درانی)
۶۔ روئیداد طلوع اسلام کنونشن ۱۹۸۷ء ۴۱
۷۔ نقد و نظر ۴۸
۸۔ رابطۂ باہمی ۴۹
۹۔ عورت بحیثیت انسان۔ (صالحہ نغمی) ۵۰
۱۰۔ حکمتِ قرآن۔ (حافظ محمد یعقوب خان تاجیک) ۵۴
۱۱۔ حقائق و عبر ۵۹
۱۔ شیطان کا تحفہ
۲۔ زکوٰۃ کا مال اور چور
۳۔ مسئلہ ملکیت زمین اور قرآن
۴۔ ایران میں اسلامی انقلاب
۵۔ علماء اور سرکاری عہدے۔
۶۔ اجمیر شریف کے بارے میں شاہ ولی اللہ کا فتویٰ۔

ایڈیٹر: محمد خلیل، ناشر: شیخ عبدالحمید۔ مقام اشاعت: ۲۵/بی گلبرگ۲ لاہور۔ مطبوعہ: النور پرنٹرز، ۲/۳ فیصل نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۲۵۔

لمعات

۱۔ کراچی ۔ فسادات کی آماجگاہ

طلوع اسلام نے اپنے فروری ۱۹۸۷ء کے شمارہ کے لمعات میں انسانی خون کی ارزانی کے عنوان سے کراچی میں اکتوبر ۱۹۸۶ء سے شروع ہونے والے ہنگاموں اور پھر ۱۴ دسمبر ۱۹۸۷ء سے دوبارہ ہونے والے فسادات کا تفصیلی جائزہ لیا تھا اور تمام ذمہ دار لوگوں سے کہا تھا کہ وہ اپنے اختلافات پسِ پُشت ڈال کر اس قیامتِ صغریٰ کا نوٹس لیں اور ملکی سطح پر اس حصۂ ملک میں قتل و غارتگری کا جو بازار گرم ہے۔ اُس کو فرد کرنے کے لئے اپنی ذمہ داری کا احساس کریں۔ اور اس مقدّس فریضہ کو انجام دیں ملک کے ہر گوشے سے عوام کے با اثر لیڈر اپنے رفقاء کے ساتھ کراچی اور سندھ میں کیمپ قائم کریں۔ اور اپنی پوری صلاحیتوں اور توانائیوں کو بروئے کار لاکر ملک کے اس حصہ کو جہنم صفت شعلوں کی گرفت سے نجات دلائیں۔ کہ یہ ملک کی بقا اور سلامتی کا سوال ہے۔ دوسری طرف حکومت سے بھی کہا تھا۔ کہ امن و امان کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ وہ اس کا سدِباب کرے۔ اور اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لاکر کراچی میں امن و امان بحال کرے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طرف کوئی خاطر خواہ توجہ نہ دی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فسادات کی سلگتی ہوئی آگ بروز ہفتہ، ۱۹ اپریل ۱۹۸۷ء کو پھر سے چنگاری بن کر اُبھری اور اس نے (اخباری اطلاعات کے مطابق) فلک بوس شعلوں کی صورت اختیار کر لی اور دیکھتے ہی دیکھتے کراچی کے کئی اہم علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اخباری رپورٹوں کے مطابق نئی کراچی میں ۹ آدمی ہلاک اور بیسیوں زخمی ہوئے جن کا خلاصہ یہ ہے۔

> "سرجانی ٹاؤن والوں نے پولیس والوں پر بھی گولی چلا دی، کئی دکانوں اور مکانوں کو آگ لگا دی گئی۔ پولیس اور حملہ آوروں میں مورچہ بند لڑائی۔ گھروں میں گھس کر عورتوں کی بے عزتی کی گئی۔ گاڑیوں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ علیٰ ہذا القیاس

آخری اطلاعات کے مطابق ان ہنگاموں میں ۱۹ آدمی ہلاک اور ۱۴۰ آدمی زخمی ہوئے۔ اخباری

ہدایات بھی کے مطابق اپریشن سرجانی ٹاؤن کی اجازت وزیراعظم نے گزشتہ روز سندھ کے دورے پر پہنچنے کے دوران دے دی ہے۔ اور اب قانون نافذ کرنیوالے اداروں کو تیار رہنے کی ہدایت کر دی گئی ہے۔

(روزنامہ جنگ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۸۷ء)

اس ساری روئیداد سے یہ صاف ظاہر ہے کہ کراچی کے فسادات انتہائے بربریت اور سبعیت کو چھونے لگے ہیں جس کا فوری تدارک ضروری ہے۔ تاکہ کراچی شہر جو پاکستان کی رگِ جاں کی حیثیت رکھتا ہے اپنے تاریخی تشخص کو قائم رکھ سکے۔ کراچی، پاکستان کی پہچان ہے۔ اسے بادِ سموم کے تھپیڑوں سے محفوظ رہنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں جو اہم بات ہے وہ یہ ہے۔ کہ ہنگاموں اور فسادات میں بے حد وحساب استعمال ہونے والا غیر قانونی آتشیں اسلحہ کہاں سے آگیا۔ یہ کلاشنکوف، رائفل، سٹین گن، بریں گن، دھماکہ خیز بارود (بم وغیرہ)، راکٹ لانچرز کس نامعلوم سرنگ کے ذریعہ سرزمین پاکستان میں داخل ہوا۔ یہ بات حکومت کے علم میں ہے کہ کس قدر غیر قانونی آتشیں اسلحہ پاکستان کے اندر سمگل ہو کر آیا۔ کیا حکومت کے اتنے وسائل نہیں کہ وہ اس کی بیخ کنی کر سکے؟ ملک کے اندر چونکہ لوگوں کے مال اور جان کی حفاظت، حکومت کے ذمہ ہے۔ اس لیے حکومت کو ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کا علم ہونا چاہیئے۔ سربراہِ مملکت کو علیم وخبیر کی صفت کا حامل ہونا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں ہمارے سامنے حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کا وہ واقعہ آجاتا ہے۔ کہ جب بھی حضرت عمرؓ اُسے یاد کرتے، آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ آپ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے تو راستہ میں ایک خیمہ دیکھا۔ ویرانے میں ایک خیمہ! قریب گئے تو دیکھا کہ اس میں ایک بڑھیا بیٹھی ہے۔ پوچھا کہ تمہیں عمرؓ کا بھی کچھ حال معلوم ہے۔ اس نے کہا۔ سُنا ہے وہ شام سے چل پڑا ہے۔ اس سے زیادہ نہ مجھے اس کی بابت کچھ علم ہے، نہ معلوم کرنے کی ضرورت۔ آپ نے پوچھا کہ ایسا کیوں؟ اس نے کہا جس نے آج تک یہ معلوم نہیں کیا کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے میں اس کے حالات معلوم کر کے کیا کرونگی؟ آپ نے کہا تم نے عمرؓ تک اپنی حالت کی اطلاع پہنچائی تھی؟ اس نے کہا کہ یہ میرا کام نہیں تھا، عمر کا کام تھا۔ آپ نے کہا عمر کو اتنی دور کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں اس بڑھیا نے جو کچھ کہا وہ غور سے سننے کے قابل ہے اس نے کہا۔

"اگر عمرؓ اپنی رعایا کے ہر فرد کے حالات کا علم نہیں رکھتا تو اُسے حکومت کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔

حضرت عمرؓ جب بھی اس واقعہ کو یاد کرتے تو آنکھوں میں آنسو آجاتے اور کہتے کہ خلافت کا مفہوم کیا ہے۔ مجھے شام کی اس بڑھیا نے بتایا۔ خداوندا! خدائی دردِ سر ہے۔

شاہکارِ رسالت باب سیاسی نظام صفحہ ۳۰۲

اسلام میں سربراہِ مملکت کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ "علیم و خبیر" کا حامل ہونا چاہیئے۔ تبھی وہ سربراہ مملکت بننے کا حق رکھتا ہے، وگرنہ نہیں۔ اُسے تمام ملکی حالات کی خبر اور علم ہونا چاہیئے تاکہ وہ اس ذریعہ کی مدد سے حالات حاضرہ پر نظر رکھ سکے اور جس کسی گوشہ سے امن امان میں خلل پڑھنے کا اندیشہ ہو، اس کا فوری طور پر سدِباب کر سکے۔ اس لئے یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ اپنے تمام وسائل و ذرائع بروئے کار لا کر کراچی کو فساد کے چنگل سے آزاد کرائے۔ تاکہ وہاں کے رہنے والے سُکھ کا سانس لے سکیں۔ اور ایسے اقدام کیے جائیں کہ آئندہ اس قسم کے روح فرسا واقعات رونما نہ ہونے پائیں۔ ان اقدامات میں سرفہرست ملک میں غیر قانونی اسلحہ کے پھیلاؤ کا ملک گیر سطح پر سدِباب اور ایسا اسلحہ رکھنے والوں سے اسلحہ کی بازیابی ہونا چاہیئے۔ نیز آتشیں اسلحہ کے پوشیدہ ذخائر کا کھوج لگانا اور قلع قمع کرنا حکومت کو اپنا مقدس ترین فریضہ سمجھنا چاہیے۔

اس وقت ملک میں کوئی شریف آدمی اپنی جان و مال کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ اور اس حقیقت کو تسلیم نہ کرنا جن سنگین ترین نتائج کا سبب ہو سکتا ہے۔ اُسے معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا آدمی بھی سمجھتا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ:-

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں قوموں کے گناہوں کو معاف

۲۔ شب برأت

دنیا کی کسی قوم کو لے لیجئے، اُس نے سال میں کچھ دن ایسے تجویز کر رکھے ہوں گے۔ جنہیں وہ بطور قومی تہوار مناتی ہے۔ قومی زندگی میں تیوہاروں کی تقریبات ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ تہوار درحقیقت کسی قوم کے اجتماعی جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہوتے ہیں اور اظہار جذبات (بشرطیکہ وہ آئین و ضوابط اور سنجیدگی و شرافت کے حدود سے تجاوز نہ کرے) انسانی ذات کی نشو و نما کے لیے نہایت ضروری ہے۔ تہوار عام طور پر کسی اہم واقعہ کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ جس واقعہ کی یاد میں کوئی قوم اپنا تہوار مناتی ہے۔ اس سے اس امر کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ کہ اس قوم کے نزدیک زندگی کے مختلف عناصر کی اہمیت کا معیار کیا ہے۔ اس تناظر میں ہمارے سامنے دو قسم کے تہوار آتے ہیں، ایک دینی اور دوسرے معاشرتی، لیکن شب برأت ایک ایسا تہوار ہے۔ جو نہ تو کسی واقعہ کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اور نہ ہی اس کی کوئی دینی حیثیت ہے۔ البتہ اس کی تفصیلات روایات میں اس طرح بیان کی گئی ہیں:-

"حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ کہ حضور سرورِ عالم نے فرمایا کہ میرے پاس نصف ماہ شعبان کی رات ملائکہ کا سردار جبرائیل آیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ آسمان کیطرف اپنا سر مبارک اُٹھایئے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کونسی رات ہے۔ تو اُس نے کہا کہ یہ وہ رات ہے جس رات اللہ تعالیٰ رحمت کے تین سو دروازے کھول دیتا ہے۔ اور ہر اُس شخص کی بخشش فرما دیتا ہے۔ جس سے دس گناہ سرزد نہ ہوئے ہوں۔ آپؐ نے تفصیل دریافت فرمائی تو جبرئیل نے کہا دس قسم کے اشخاص اس رات بھی رحمتِ الٰہی سے محروم رہتے ہیں۔ یعنی مشرک، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا، ذخیرہ اندوزی کرنے والا، گستاخ رسولؐ کاہن، ساحر، بُغض رکھنے والا، سود کھانے والا، چُغل خور، شراب و زنا کا عادی۔"

(بحوالہ روزنامہ جنگ) اشاعت خصوصی، شب برات ایڈیشن ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ صفحہ آخر)

"حضور سرورِ عالمؐ شب بارات کی رات کو عبادت الٰہی میں گزارا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ کہ نصف شعبان کی رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ باہر تشریف لے گئے۔ آپ کے نکل جانے سے مجھے گُمان ہوا کہ آپؐ کسی اور زوجہ مطہرہ کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ میں آپ کی تلاش میں حجرے کی جانب گئی، تو اچانک میرے ہاتھ حضورؐ کے پاؤں سے چھو گئے۔ آپؐ اُس وقت سجدہ میں تھے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے آپؐ کو سجدے کی حالت میں طویل دعا فرماتے ہوئے سُنا۔ رات سے لے کر صبح تک یہی کیفیت رہی کہ کبھی آپ کھڑے ہو جاتے، کبھی بیٹھ کر عبادت فرماتے۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ میں آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ پھر حضورؐ نے مجھ سے پوچھا عائشہؓ یہ کون سی رات ہے۔ انہوںؓ نے عرض کی کہ اللہ اور اُس کے رسول ہی اچھا جانتے ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا، یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ اس رات میں بندوں کے اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔ اور اس میں تمام مخلوق کے رزق نازل ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بہت سے زندہ اسی سال مر جاتے ہیں۔ اور بہت سے مریضوں کو شفا ہوتی ہے۔ اور بے شمار اپنے والدین سے جدا کر دیئے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نصف شعبان کی رات کو جاگا کرو۔ اور جو شخص اس رات کو جاگے گا اور عبادت الٰہی کو اپنا شعار بنائے گا۔ اس کا قلب اس بات سے نہ مریگا جس سے قلب مردہ ہو جاتا ہے۔"

(ایضاً)

حضرت عائشہؓ سے ایک اور روایت ہے کہ رسول پاکؐ نے مجھ سے فرمایا عائشہ یہ

کون سی رات ہے۔ اُنہوں نے فرمایا اللہ اور اُس کے رسُول بخوبی واقف ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ اس رات میں دنیا کے اعمال، بندوں کے اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں (ان کی پیشی بارگاہ رب العزت میں ہوتی ہے) اللہ تعالےٰ اس رات بنی کعب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد میں لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔ توکیا تم آج کی رات مجھے عبادت کی آزادی دیتی ہو؟ (ایضاً)

ایسی ہی کئی اور روایات ہیں مثلاً "رسول پاکؐ کا ارشاد ہے (روایت کے مطابق) کہ نصف شعبان کی رات اللہ تعالےٰ دنیا کے آسمان پر جلوہ بار ہوتا ہے اور مغفرت مانگنے والوں کی بخشش کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام عکرمہ نے فرمایا کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ تعالےٰ پورے سال کے امور کا انتظام فرما دیتا ہے۔ زندوں، مردوں کی فہرست کے علاوہ بیت اللہ کے حاجیوں کے نام بھی لکھ دیتا ہے۔ پھر اس تعداد میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔"

یہ ہیں تفصیلات "شب برأت" کی روایات کے مطابق۔ حیرانی کی بات ہے کہ اتنے اہم تہوار کا ذکر اشارۃً یا کنایۃً بھی قرآن حکیم میں موجود نہیں اور نہ ہی اس کے اندر کوئی ایسی بات ہے، جو قرآن سے مطابقت رکھتی ہو۔ اسی لیے آغازِ کلام میں کہا گیا ہے کہ شب برات ایک ایسا تہوار ہے۔ جو نہ تو کسی واقعہ کی یاد میں منایا جاتا ہے اور نہ ہی اُس کی کوئی دینی حیثیت ہے، لیکن بعض لوگوں نے بڑے طمطراق سے قرآنِ حکیم کی ایک آیت کو غلط رنگ دے کر اس خود ساختہ تہوار کے ساتھ چسپاں کر دیا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ:

"حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ روز قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے۔ اللہ اس کا فیصلہ فرما چکا ہے۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ. قسم ہے کتاب مبین کی (یعنی قرآنِ مجید کی) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ. ہم نے یہ قرآن (کتاب مبین) برکت والی رات میں اتارا۔ یعنی نصف شعبان کی رات میں۔ عکرمہ کے علاوہ مفسرین کا یہی قول ہے کہ عکرمہ کے قول سے لَيْلَةِ المبارکہ سے شب قدر مراد ہے۔" (ایضاً)

محولہ بالا پوری آیت یوں ہے

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۴۴/۳-۴

ہم نے قرآن کو ایک بابرکت رات میں اُتارا ہے۔ ہم ہمیشہ (وحی کے ذریعہ) قوموں کو آگاہ کرتے رہتے ہیں (وہ بابرکت رات) جس میں ہر ایک حکمت والا معاملہ فیصل کر دیا گیا۔"

آیت سے ظاہر ہے کہ یہ اس رات کا ذکر ہے۔ جس میں قرآن نازل ہوا، جس کی تائید سورۃ القدر کی یہ آیت کرتی ہے کہ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۹۷/۱ ہم نے اس قرآن کو لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ میں نازل کیا۔ یہ طے ہو گیا۔ کہ قرآنِ حکیم لَیۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ یعنی لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ میں نازل ہوا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن حکیم کا نزول کب ہوا؟ کیا ماہِ شعبان میں یا کسی اور مہینہ میں۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے پوچھتے ہیں۔ تو جواب آتا ہے۔

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ ۚ فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ ۲/۱۸۵

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے۔ جس میں قرآن نازل ہوا۔ جو لوگوں کا راہنما ہے۔ اور جس میں ہدائیت کی کھلی نشانیاں ہیں۔ اور جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا ہے۔ پھر جو کوئی تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو وہ پورے مہینہ کے روزے رکھے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق قرآن حکیم ماہِ رمضان میں نازل ہوا اور محولہ بالا دونوں آیات کا تعلق نزولِ قرآن سے ہے۔ جو ماہ رمضان میں نازل ہوا۔ لہٰذا ان دونوں آیات میں سے کسی ایک کا تعلق بھی ماہِ شعبان سے نہیں۔ یاد رہے قرآن حکیم کی آیات و مفاہیم کو مسخ کرنا اور غلط رنگ دینا قرآن حکیم کی تضحیک و تکذیب ہے۔ جسے خدا کبھی بھی معاف نہیں کرتا۔

حذر اے چیرہ دستاں ! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اب یہ سوال رہ رہ کر ابھر رہا ہو گا کہ اگر شبِ برأت کے تیوہار کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تو پھر یہ مسلمانوں کی تاریخ کا حصہ کس طرح بن گیا۔ یہ سوال بڑا غور طلب اور اہمیت کا حامل ہے۔ صدیوں اُدھر کی بات ہے۔ جب ایرانیوں کو مسلمانوں سے شکست ہوئی۔ تو وہ دانت پیس کر رہ گئے۔ وہ مسلمانوں سے میدانِ جنگ میں شکست تو کھا گئے۔ لیکن انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اس شکست کا انتقام اس طریق سے لیا جائے گا۔ کہ اس کی نظیر کہیں نہ مل سکے۔ ایرانی فوجوں میں شاہی جیش کو بڑا مرتبہ حاصل تھا۔ اس جیش کا نام اساورہ تھا۔ اپنی شکست کے بعد اس جیش نے حضرت سعدؓ سے درخواست کی۔ کہ اگر نہیں وہی مراعات دے دی جائیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں، تو وہ مسلمان ہو کر اسلامی آبادیوں میں بس جانا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ شرط منظور کر لی گئی اور وہ اس طرح بصرہ اور کوفہ وغیرہ بلادِ اسلامیہ میں آ بسے۔ یہاں آنے کے بعد انہوں نے اس انتقام کی سازش شروع کر دی۔ جس کی آگ ان کے دلوں میں سلگ رہی تھی۔ اس وقت اسلام اپنی اصل شکل میں سیدھے سادھے ضابطۂ حیات کی حیثیت

سے موجود تھا، مسلمان اس ضابطۂ حیات پر ایمان رکھتے تھے اور اُسے دنیا میں عملاً نافذ کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ کام کرنے والی قومیں باتیں کرنا نہیں جانتیں۔ اس لیے اس وقت تک مسلمان باتوں میں اُلجھے نہیں تھے۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گُفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد

ان اساورہ نے یہی سوچا کہ اس "زندہ" سے عمل چھڑانے کا یہی طریقہ ہے۔ کہ انہیں باتوں میں الجھاؤ۔ اسی طرح کی سازش ابلیس نے مسلمانوں کے خلاف تیار کی اور اپنے مشیروں سے کہا:۔

ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے — یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے
ابن مریم مرگیا یا زندۂ جاوید ہے ؟ — ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عینِ ذات!
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے — یا مجدّد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات؟
تم اِسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے — تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
ہے وہی شعر و تصوّف اسکے حق میں خوب تر — جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو اساورہ کا پلان بھی کارِ ابلیس کا ایک شاہکار ہے۔ چنانچہ خیر و شر کا مسئلہ مجوسیت (ایران کے مذہب) کا بنیادی مسئلہ تھا۔ اسی مسئلہ پر تقدیر کے نظریہ کی عمارت متفرع ہوتی ہے انہوں نے سب سے پہلے اسی سوال کو چھیڑا۔ وہ جن مسلمانوں سے اسلام سیکھتے تھے۔ اُن سے پوچھتے تھے کہ "اگر کائنات کا کوئی ذرّہ بھی خدا کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا، تو انسان کے تمام اعمال بھی خُدا کے حکم کے ماتحت ہی سرزد ہوں گے۔ اور اگر یہ سب کچھ خدا کے حُکم کے مطابق ہوتا ہے، تو پھر سزا اور جزا کا کیا سوال ہے؟" مسلمانوں کی عملی قوم نے اس قسم کے سوالات کو درخورِ اعتناء ہی نہیں سمجھا تھا اور یہ مجوسی معترضین اس فن میں طاق تھے۔ اُنہیں مجبوراً ان باتوں کے متعلق سوچنا پڑا۔ اور ان کے اعتراضات کے منطقی جوابات تلاش کرنے پڑے۔ ان سوالات اور جوابات نے عقائد کی صورت اختیار کرلی۔ اور اس طرح اسلام میں سب سے پہلے قدری فرقہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس فرقہ کے بانی معبد بن خالد جہنی کا اپنا اعتراف ہے۔ کہ اس نے اس مسئلہ کو اساورہ کے ایک شخص ابو یونس سے اخذ کیا تھا۔ قدریہ کا ردِ عمل جبریہ کی صورت میں رونما ہوا۔ اس طرح جب ایک مرتبہ فرقہ بندی کی ابتدا ہو گئی، تو اس کے

چل سوچل۔ مجوسی اساورہ نے یہ سب کچھ اس خاموشی سے کیا کہ کوئی بھانپ ہی نہ سکا کہ اسلام کی گاڑی کس طرح دوسری پٹڑی پر جا پڑی۔ اُنہوں نے تقدیر کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دی کہ اسے مسلمانوں میں جزوِ ایمان بنا دیا۔ چنانچہ ہمارے ایمان میں، وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى کا چھٹا جزو انہی کا داخل کیا ہوا ہے۔ اس عقیدہ کو زیادہ گرہ گیر بنانے کے لیے اُنہوں نے یہ عقیدہ پھیلایا کہ سال میں ایک رات ایسی آتی ہے۔ جس میں آنے والے تمام سال کے معاملات طے کر کے رکھ دیئے جاتے ہیں۔ فلاں شخص مرے گا اور فلاں کے ہاں بچہ پیدا ہوگا۔ فلاں کا رزق کھلے گا، فلاں کا بند ہوگا۔ یعنی محکمۂ قضاء وقدر ہر ایک کے حصے مقرر کر دے گا۔ اس رات کا نام "شبِ برأت" رکھا گیا۔ برأت کے معنی حصہ کے ہیں۔ یعنی حصے بٹنے کی رات۔ اب رہا اس کی سند کا سوال، سو اس کے لیے انہوں نے الگ انتظام کر رکھا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے ہاں قرآن ایک ایسی کتاب ہے۔ جس میں ردّوبدل اور حک واضافہ ناممکن ہے۔ اس لئے انہوں نے پہلے یہ عقیدہ پھیلایا کہ دین سب کا سب قرآن ہی میں نہیں، قرآن کے ساتھ (مثلهٗ معهٗ) ایک اور چیز بھی ہے۔ اور وہ ہیں احادیث۔ حدیث کا کوئی مجموعہ رسول اللہؐ نے مرتب کر کے نہ دیا تھا، کہ اس میں ردّوبدل یا اضافہ کی گنجائش نہ ہوتی۔ سنی سنائی باتوں کو (رسول اللہؐ کی وفات کے دو اڑھائی سو سال کے بعد) جمع کرنا شروع کیا۔ اور اُن کا نام رکھ دیا "سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اب اس طرح کی پھیلی ہوئی باتوں میں نئی نئی باتیں شامل کر دینا کون سا مشکل کام تھا۔ عربی کے چند فقرے وضع کئے، دو چار راویوں کے نام ان سے پہلے چپکا دیئے آخر میں لکھ دیا "قَالَ قَالَ رسول اللہ" بس حدیث تیار ہے۔ "شب برات" کی فضیلت میں بھی اسی قسم کی حدیثیں وضع کر دی گئی ہیں۔ اس کے بعد اس عقیدہ کے عین دین بن جانے میں کون سی کسر رہ سکتی تھی؟ چنانچہ تذکرۃ الموضوعات" (شیخ محمد طاہر) میں ہے کہ بعض صوفیانہ کتابوں مثلاً ابوطالب کی "قوت القلوب" یا ثعلبی وغیرہ کی تفسیروں سے جنہوں نے غلط فہمی سے نصف شعبان کی رات کو شبِ قدر کر دیا۔ لوگوں نے صلوٰۃ الفیہ جاری کی۔ اور دس دس کی ٹولیوں میں سو سو رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں۔ اور عید سے بھی زیادہ شب برأت کا اہتمام کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اس نے میلہ کی شکل اختیار کر لی۔ جس میں اس قدر فسق وفجور ہونے لگا کہ اولیاء اللہ بیابانوں میں نکل جاتے تھے۔ اس خوف سے کہ کہیں اللہ کا قہر نہ نازل ہو جائے۔ سب سے پہلے اس کا رواج بیت المقدس میں ۴۴۸ھ میں ہوا۔ پھر سارے شام ومصر میں پھیل گیا۔ آخر میں علماء مصلحین نے توجہ کی۔ جن کی کوششوں سے یہ بدعت مٹ گئی۔ تاہم اس کا سلسلہ کچھ نہ کچھ آٹھویں صدی ہجری تک رہا۔ شیخ علی بن ابراہیم نے ایک رسالہ

میں لکھا ہے۔ کہ شب برأت میں روشنی کی ابتداء برامکہ سے ہوئی۔ جو مجوسیت چھوڑ کر اسلام لائے انہوں نے دینِ اسلام کی راہ سے اپنی آتش پرستی کی رسم تازہ کی۔ اس نے رفتہ رفتہ آتش بازی کی شکل اختیار کر لی جو مغرب سے مشرق تک پھیل گئی۔ یوں شبِ برأت وجود میں آئی۔ اب مسلمان ہزار برس سے مجوسیوں کے "نوروز" کے اسی مثنیٰ کو عین اسلام سمجھ کر سینے سے لگائے لگائے پھر رہا ہے۔ اور اُس کے بچے آتشبازی سے ان کی آتش پرستی کی یاد تازہ کرا دیتے ہیں۔ اور کوئی اللہ کا بندہ اتنا کہہ دے کہ خدا کے لیے ذرا سیلاب کی اس رو سے ہٹ کر سوچو تو سہی کہ بالآخر اس کی دینی حیثیت ہے کیا؟ تو اس کے خلاف کفر کے فتاویٰ شائع کر کے اس مجوسی سازش کی تقویت کا سامان بہم پہنچا دیا جاتا ہے۔

یہ ہے اصل حقیقت شبِ برأت کے تیوہار کی جس کی نہ کوئی دینی حیثیت ہے۔ اور نہ ہی کسی تاریخی واقعہ سے اس کا تعلق ہے۔ اور اسے منانے پر ہر سال قوم کے لاکھوں، کروڑوں روپوں کا ضیاع ہوتا ہے۔

عشق کی تیغِ جگر دار اُڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

اکاؤنٹ نمبر 4107-35

حبیب بنک لمیٹڈ۔ مین مارکیٹ برانچ۔ گلبرگ لاہور

احباب نوٹ فرمالیں

کہ ماسوائے رقوم اشتراک مجلہ طلوعِ اسلام تمام رقوم، ڈرافٹ اور چیک
طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ـــــ کے نام بھیجے جائیں!

باسمہٖ تعالیٰ

اِک

ولولۂ تازہ

دِیا میں نے دِلوں کو!

محترم محمد عمر دراز سیکرٹری کنونیشن کمیٹی

کا

اِستقبالِیہ

جس سے انہوں نے طلوعِ اِسلام کنونیشن منعقدہ اپریل ۱۹۸۷ء سے خطاب کیا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

غم گسارانِ قافلۂ متاع بردگان!

سلام و رحمت۔

آج ہم گیارہ سال کے طویل عرصہ کے بعد یہاں اکٹھے ہوئے ہیں تو ہمارے جذبات غم و مسرت کا ایک عجیب سا کیف لئے ہوئے ہیں۔

غم اس بات کا کہ آج یہ اجتماع پہلی بار اُس مشفق استاد اور منفرد مفکرِ قرآن کے بغیر منعقد ہو رہا ہے۔ جو ہمیشہ ہمیں اس نعرۂ مستانہ سے دعوتِ جادہ پیمائی دیتا رہا کہ:

اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند۔
تاثیر ہے یہ میرے نفس کی، کہ خزاں میں
مرغانِ سحر خواں میری صحبت میں ہیں خورسند

اور اس کے ساتھ ہی خدا کے حضور یہ شکائیت بھی کرتا رہا کہ
لیکن مجھے پیدا کیا اُس دیس میں تو نے
جس دیس کے بندے ہیں غلامی پہ رضامند

اور خوشی اس امر کی کہ اس کے دیئے ہوئے سبق اور اس کی وساطت سے قرآن حکیم تک ہماری رسائی نے ہمیں نہ صرف اس کی مفارقت کا صدمہ برداشت کرنے کی ہمت دی بلکہ اس کے زندگی بھر کے پیغام کو آگے بڑھانے، اُسے بحرِ بیکراں کی وسعتوں سے ہمکنار کرنے اور حیاتِ دوام کی لذتوں سے آشنا کرنے کے لئے، ہم نئے ولولوں، نئی اُمنگوں اور نئے جذبوں کو لے کر اپنی مستقبل کی راہوں کا تعین کرنے اور ان پر حصولِ مقصد کے لئے گامزن ہونے کا بلند اور غیر متزلزل عزم لے کر پھر یکجا وصف آرا ہیں کہ ہمیں قرآن نے یہ سبق دیا ہے کہ

وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝ (۳/۱۳۹)

اس گیارہ سال کے عرصہ نے ہماری موعودہ فردوسِ گم گشتہ کی بازیابی کو ہم سے کتنا دور کر دیا ہے اور اس میں قرآنی نظامِ ربوبیت کے نفاذ کے ہمارے وعدوں کی ایفا کو کتنا بعید کر دیا ہے، اسے دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں اور نہ ہی اس میں مایوسی کی کوئی وجہ ہے کہ قرآن کریم کا طالب علم بددلی

در مایوسی کا شکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم نے اُس محکم سہارے کو تھام رکھا ہے جو لَا انْفِصَامَ لَهَا ہے جو کبھی دھوکہ نہیں دیتا اور جسے رب کریم نے اِس ارشاد کے ساتھ ہمیں عطا فرمایا ہے کہ

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۵۸/۱۰

ہم اس ذاتِ اقدس واعظم علیہ التحیہ والسلام (فداہ اُمّی و ابی) سے نسبت رکھنے کے دعویدار ہیں جس نے بظاہر، انتہائی کس مپرسی اور بے چارگی کے عالم میں اپنے یارِ غار کو دل کے پورے اطمینان اور اپنے پروردگار پر کوہ آسا ایمان کے ساتھ ان حیات پرور الفاظ میں دِلاسہ دیا تھا کہ

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۹/۴

آپ کی تحریک نے ملک و قوم کو کیا دیا، ملّتِ اسلامیہ پاکستانیہ کو گھُن کی طرح کھا جانیوالی امراض کی کس طرح نشاندہی کی اور سرچشمۂ حیات اور ہر مرض کی شفا دینے والے ضابطۂ حیات سے کیسے کیسے ان کے علاج تجویز کئے، اس کا تفصیلی بیان تو صدر کنونشن کمیٹی برادر محترم محمد اسلام صاحب کے ذمہ ہے۔ میرا موضوعِ سخن یہ ہے کہ مفکر قرآن محترم پرویز صاحب کی وفات کے بعد اُن کے پھیلائے ہوئے نورِ قرآن کو ضیا بار رکھنے کے لئے ہم نے اب تک کیا کیا اقدامات کئے ہیں۔ کہ تحریکوں کی بقا منصوبہ بندی اور نشست و گفت کی محفلوں کے ساتھ ساتھ عمل اور جہدِ مسلسل سے وابستہ ہے۔ ان تفاصیل کو آپ کے سامنے پیش کرنے کا یہ مقصد بھی ہے کہ محترم پرویز صاحب کی وفات کے بعد ان کی قرآنی فکر کی ضیا باریوں اور قافلۂ قرآنی کی جانب منزل، سفر پیمائی میں سطحی نظروں سے دیکھنے میں جو ایک حد تک کمی نظر آتی ہے، اس کی وضاحت کی جا سکے۔

برادران گرامی قدر، آپ کے پرخلوص اور گراں بہا تعاون، آپ کے قیمتی مشوروں اور آمادہ بہ ہمّت کرنے والی شاباش اور تشجیع کے صدقے سب سے پہلے ہم نے ادارہ طلوع اسلام کو قانونی حیثیت دینے کے لئے اس کی تشکیل نو کی اور اسے ایک باقاعدہ رجسٹرڈ ادارہ کی شکل دی۔

بعد ازاں ہم نے محترم پرویز صاحب کی کتابوں کا اس وقت کا تمام سٹاک حاصل کر کے اسے ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ کی تحویل میں دیا۔

اس سے اگلا قدم محترم پرویز صاحب کی زندگی کے آخری ایام میں ان کے خوابوں کے محور اور امیدوں کے مرکز طلوع اسلام ٹرسٹ کا قیام تھا جو خدا کے فضل سے ۱۰ دسمبر ۱۹۸۶ء کو قائم ہو گیا۔ یہ ایک ایسا تاریخ ساز اقدام ہے جس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ آنے والی نسلیں ہی کر سکیں گی۔

ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) کی تشکیل نو سے لے کر طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کے قیا

تک ان تمام کتب کی اشاعت کا کام شروع کیا گیا جو ایک عرصہ سے نایاب تھیں اور آپ یہ جان کر خوش ہوں گے کہ اس کام کی پیش رفت انتہائی تسلی بخش ہے۔

اگلا قدم پرویزؒ میموریل لائبریری کا قیام تھا تاکہ محترم پرویز صاحب کی قرآنی فکر پر ریسرچ کا کام جاری رکھا جا سکے اور ریسرچ سکالرز کو وہ تمام سہولتیں بہم پہنچائی جائیں جن کی انہیں احتیاج ہو تاکہ یہ نور اطرافِ عالم میں پھیلتا چلا جائے۔ اس سلسلہ میں اصحابِ خانہ سے مطلوبہ حصہ خریدنے کے لیے گفت و شنید اور ضروری کاروائی جاری ہے اور انشاء اللہ مستقبل قریب میں اسے حاصل کر لیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے لیے وسائل آپ نے مہیا فرما دیئے ہیں۔

یہ سب اس قلیل مدت میں کیسے ممکن ہوا؟ اس کا جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیاں اور آپ کا بھرپور تعاون!''

اب ہمارے سامنے لائبریری کے لئے ہال کی تعمیر، اس کی تزئین و آرائش اور کتب کی ترتیب کا مرحلہ ہے۔ جس کے لیے اخراجات کے تخمینے حاصل کئے جا رہے ہیں۔ جونہی یہ تخمینے حاصل ہوئے۔ ہم پھر آپ کی بارگاہِ شوق پر دستک دیں گے۔

قافلۂ قرآنی کے ساتھیو! یہ تو تھی تفصیل اس متاع کی جسے ہم اب تک محفوظ کر سکے ہیں۔ اب میں آپ کو اس میدان کی بھی کچھ سیر کرانا چاہتا ہوں، جس کے متعلق اکثر پوچھا جاتا ہے کہ اب کیا ہوگا۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں قطعاً کوئی باک نہیں کہ ہم میں سے کوئی ایک تو کجا، کئی ایک مل کر بھی محترم پرویز صاحب کی جگہ نہیں لے سکتے۔ تو کیا علمی تخلیق کا یہ خالی میدان اپنی دسترس سے باہر سمجھ کر ہم اپنی توجہات کو اس طرف مرکوز نہ کریں۔ نہیں! ایسا ہرگز نہیں۔ یہ سچ ہے کہ

محفلِ ما، بے مے و بے ساقی است
سازِ قرآں را، نواہا باقی است

اور سازِ قرآن کی یہ نوا ہی تو ہمارا سرمایہ حیات ہے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ زخمہ ور آج ہم میں نہیں، جس کی زخمہ وری کی دلنوازی ہمارے لئے سب سے بڑی کشش تھی لیکن

اگرچہ میکدہ سے اُٹھ کے چل دیا ساقی
وہ مے، وہ خم، وہ صراحی، وہ جام باقی ہے۔

اور اسی مے و خم و صراحی و جام کے صدقے ہم ایسے جذبوں سے سرشار ہیں کہ اس کام کو جاری

رکھنا ہمارے پروگرام کا نہایت اہم حصہ ہے۔

اس سلسلہ میں ہم نے ابتداءً محترم پرویز صاحب کی تحریروں میں سے ایسے شہ پاروں کو چن چن کر ایک مربوط شکل میں آپ کے سامنے لانے کا پروگرام بنایا ہے۔ جن میں ایک طرف ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی والہانہ عقیدت اور بے پناہ احترام اپنی درخشندگیوں اور تابانیوں کے ساتھ جھلملا رہے ہیں اور دوسری جانب اس بعد از خدا بزرگ توئی علیہ التحیہ والسلام اور آپؐ کے رفقائے کار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی سیرت ہائے مبارکہ کی حقیقی عظمتیں اپنی پوری شان کے ساتھ نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔ اس سلسلہ کی ابتدائی تین قسطیں آپ "حسنِ تحریر" کے عنوان سے جنوری، فروری اور اپریل ۱۹۸۷ء کے طلوع اسلام کے شماروں میں پڑھ چکے ہوں گے۔

اس سلسلہ کی دوسری اہم کڑی جس پر انشاء اللہ جلد ہی عملدرآمد شروع ہو جائے گا یہ ہے کہ محترم پرویز صاحب نے قرآن حکیم کی مروجہ تفسیروں کے برعکس، قرآن کی حقیقی عظمتوں کی تصاویر کو گرد و غبار سے صاف کرنے کے لیے تحقیق و تفحص اور دورِ حاضرہ کے علوم کی روشنی میں جو نکتہ ہائے خاص پیش کئے اور جن سے قرآن حکیم کی صداقتیں اور عظمتیں اُجلی اور نکھری صورت میں وا ہو کر ہمارے سامنے آئیں۔ انہیں بھی مسلسل اور مربوط شکل میں قوم کے سامنے لایا جائے۔ مثلاً قصہ آدم میں انہوں نے آدم کے خلیفۃ اللہ ہونے کے غلط عقیدہ کو کس خوبصورتی سے اس کے حقیقی رنگ میں پیش کیا کہ خلیفہ اُس کا ہو سکتا جو خود موجود نہ رہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی پاک ذات جو حیّ و قیوم ہے۔ جو سب سے پہلے انسان بلکہ سب سے پہلی مخلوق سے بھی پہلے موجود تھی اور سب سے آخری انسان کے بعد بھی موجود رہے گی۔ اس کا خلیفہ ایک فانی انسان جو خود اپنی زندگی کے لئے اس کی کرم نوازیوں کا محتاج ہو، کیسے بن سکتا ہے۔ ان کی قرآن کریم کی تفسیر کی ایسی ہی خصوصیتیں اپنی مکمل انفرادیت کے ساتھ آپ کے سامنے لائی جائیں گی۔

محترم پرویز صاحب کی آراستہ کی ہوئی اس بزم انجم کے موتیوں کو یوں قوم کے سامنے پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اُن کے مخالفین جو درحقیقت قرآن کریم کی آواز کے مخالف ہیں اور قرآن میں بیان کردہ کفارِ مکہ کی اس حکمت عملی پر عمل پیرا کہ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۔ (۲۶/۴۱) جس قسم کی الزام تراشیوں سے عامۃ الناس کو گمراہ کرنے کے لیے میدان میں نکل آئے ہیں اُن کا ازالہ کیا جائے۔

ان الزام تراشیوں میں سے ایک مذموم کوشش جسے اولاً روزنامہ جسارت کراچی نے شروع کیا تھا اور اب اس کی صدائے بازگشت دوسرے کونوں سے بھی سنی جا رہی ہے۔ یہ ہے کہ محترم پرویز صاحب کی تصنیفات اُن کی اپنی تصنیفات نہیں ہیں بلکہ کچھ دوسرے لوگوں کی ہیں مگر پرویز صاحب کے نام سے

طبع ہوئی ہیں۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ اس مذموم سازش کا منہ توڑ جواب اُن کے ایک نہایت قابل اور بااعتماد ساتھی جناب ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب ایک مبسوط مقالے کی شکل میں دے رہے ہیں۔ کہ اُن کا نام بھی پرویز صاحب کی ایک کتاب "انسان نے کیا سوچا؟" کی تصنیف کے سلسلہ میں لیا جا رہا ہے یہ مقالہ آج کل طباعت کے لیے تیار ہو رہا ہے اور عنقریب چھپ کر سامنے آئے گا۔ جس میں یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگی کہ پرویز صاحب کی تصنیفات اُن کی اپنی تخلیق ہیں اور ان میں کسی دوسرے مصنف کی کسی کاوش کا کوئی حصہ نہیں۔ اس مقالے میں ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب محترم پرویز صاحب کی علمی صلاحیتوں کو بھی ابھار اور نکھار کر سامنے لائے ہیں۔

ان کوششوں سے ہماری یہ اُمید وابستہ ہے کہ قوم اُس بے نظیر مفکرِ قرآن کی صحیح قدر و قیمت جان سکے اور اُن کے دیدۂ تر کی بے خوابیوں اور خلوت و انجمن کے گداز کے گوہر مقصود قرآن کریم کی طرف واپس آئے اور اسے از خود سمجھ کر اپنی زندگیوں کو اس کے قالب میں ڈھالنے کی جانب آمادہ بہ عمل ہو کہ قرآن کریم ہی وہ واحد قندیلِ آسمانی ہے جس میں انسانیت کے راستوں کو روشن کرنے کی کامل صلاحیت موجود ہے۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے کہ:

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

اور قرآن ہی وہ واحد مشعلِ ہدایت ہے جو انسان کے قلب و نگاہ میں ایسی تبدیلی پیدا کرتا ہے کہ جس سے اس کے زاویہ ہائے نگاہ بدل جاتے ہیں اور ہر چیز کی قدر و قیمت اپنی اپنی جگہ پر نظر آنے لگتی ہے۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ ہی نے اسے ایک خوبصورت انداز میں کہا ہے کہ

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد، جہاں دیگر شود

قرآن کریم کی وارث قوم نے اقوام عالم میں اپنا مقام بلند اسی رہبرِ کامل کو پس پشت ڈالنے سے کھویا ہے اور اگر اس قوم نے بارِ دگر اُسے حاصل کرنا ہے تو اسے پھر سے اُسی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا کہ یہی وہ بارگاہِ حقیقی ہے جو انسان کو ہر احتیاج سے غنی اور ہر رہبر سے بے پرواہ کرتی ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے اس قوم کو پھر سے انہی گذرگاہوں کی تلاش کرنا ہوگی جن پر رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ قدم روشن ستاروں کی طرح جگمگ جگمگ کرتے نظر آتے ہیں۔ اور جنہیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اٹھتا ہے کہ:-

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو

اور جن کی سیرت کے اصولی گوشے قرآن ہی کی دفتین میں حفاظتِ رب العالمین کے تحت محفوظ ہیں۔

اس سلسلہ کی تیسری کڑی اُن کا درسِ قرآن ہے۔ جواب وڈیوافلام کے ذریعے ہوتا ہے۔ پرویزؒ صاحب اپنی زندگی میں درس کو جہاں چھوڑ کر گئے ہیں پہلے مرحلے میں اسے قرآن کریم کے آخر تک مکمل کرنے کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔ اور پھر اسے نئے سرے سے شروع کرنے کا پروگرام بنایا جا رہا ہے۔

رفیقانِ کرام! آپ نے محترم پرویزؒ صاحب کی رجعت الی القرآن کے نوائے سرفروش پر لبیک کہا تو ایک کمر توڑ دینے والی ذمہ داری کو قبول کیا۔ آپ نے جو اس تبدیلیٔ فکرونظر کا مسلک اختیار کیا تو زمانے بھر کی مخالفتیں اپنے جملہ ساز و براق کے ساتھ آپ کا راستہ روکنے کے لئے آکھڑی ہوئیں۔

قرآن کریم نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ خدا کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا تاوقتیکہ اسے آگاہ نہ کر دے کہ سلامتی کی کونسی راہ ہے اور تباہی کی کونسی۔ یہ آگاہی، خدا کے پیغام بروں کے ذریعہ عمل میں آتی تھی اور اب ختم نبوت کے بعد، یہ فریضہ حاملین قرآن پر عائد ہوتا ہے۔ یہ ذمہ داری کتنی اہم اور عظیم ہے۔ اس کے متعلق قرآن میں ہے کہ اس تباہی کے وقت فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (۷/۶) ہم ان لوگوں سے پوچھیں گے جن کی طرف پیغام رساں بھیجے گئے تھے اور خود ان پیغام رسانوں سے بھی کہ تم نے اپنا فریضہ کس حد تک ادا کیا تھا۔ سو برادرانِ مکرم! آپ جو یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں تو اس کا جذبۂ محرکہ خدا کی یہ بازپرس ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجے کہ آپ کی ذمہ داری کس قدر عظیم ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ ہماری ان کوششوں کے نتائج کب نمودار ہوں گے تو اس کے لیے آپ کو متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس سلسلہ میں خدا نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا تھا کہ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝

آخر میں، مَیں محترم پرویزؒ صاحب ہی کے الفاظ میں اُنہی کا دیا ہوا وہ پیغام آپ تک پہنچاتا ہوں جو انہوں نے طلوع اسلام کنونشن منعقدہ اپریل ۱۹۷۲ء کے مندوبین و شرکاء کو چراغ آرزو کے خطاب کے تحت دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ؛

یہ ہے زمیلانِ من! اس باب میں ہماری ذمہ داری کی نوعیت اور کیفیت۔ پیغام خداوندی پہنچانا ہمارے ذمہ ہے۔ نتائج مرتب کرنے کے لئے ہم مکلف نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ حالات کے

تقاضوں کے مطابق ہم اپنی مساعی کو وسیع تر اور تیز تر کرتے جائیں اور ظاہر ہے کہ حالات جس قدر نازک اب ہیں، اس سے پہلے کبھی ایسے نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی مساعی کو، خواہ وہ کتنے ہی محدود پیمانے پر کیوں نہ ہوں پہلے سے زیادہ تیز کردیں۔ آپ حالات کی ناسازگاری سے نہ گھبرایئے اور اپنے مسلک کی صداقت اور نتیجہ خیزی پر یقین محکم رکھئے۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۝ ۳/۱۳۹ - یہ زمانے کی گردشِ دولابی ہے، قوموں میں اس قسم کے اُتار چڑھاؤ ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس میں گھبرانے کی کونسی بات ہے۔ نہ ہی اس سے پریشان ہوجیئے کہ قوم پر اس وقت مایوسی چھا رہی ہے۔ دلوں میں اضطراب اور ذہنوں میں ہیجان ہے۔ اس لئے وہ اس پیغام کو سننے کے MOOD میں نہیں پیغام دینے والوں کو قوم کے MOOD کیساتھ نہیں چلنا چاہیئے۔ انہیں قوم کا MOOD بدلنا چاہیے۔ جب ۲۳-۱۹۲۲ء میں ترکوں کو ایسی شکست ہوئی کہ اقوام مغرب ان کی مملکت کے حصے بخرے کرنے لگ گئیں۔ تو اس سے تمام مسلم ممالک پر بالعموم اور ہم ہندی مسلمانوں پر بالخصوص گہری مایوسی چھا گئی۔ ان تاریک تر حالات میں، وہ مردِ دانا، جس کی زبان پر ہمیشہ لَا تَقْنَطُوْا کا پیغامِ حیات بخش رہتا تھا، اُٹھا اور قوم کو "طلوعِ اسلام" کے عنوان سے نئی زندگی اور تازہ ولولوں کا وہ پیغام دیا جس نے اس کی مایوسیوں کو اُمیدوں میں بدل دیا۔ اس نے ان لوگوں کو مخاطب کرکے، جو اس امر کے شاکی تھے کہ قوم افسردہ خاطر اور پژمردہ دل ہو رہی ہے، اسے کس طرح بیدار کیا جا سکتا ہے، جھنجھوڑ کر کہا کہ،

اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے، تو اے بلبل — نوا را تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
تڑپ صحنِ چمن میں، آشیاں میں، شاخساروں میں — جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیرِ سیمابی
ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے — چمن کے ذرے ذرے کو شہیدِ جستجو کر دے

اور یہی آج، آپ سے میرا پیغام ہے۔

میرے لائق صد احترام ساتھیو! اب جبکہ ذاتِ باری تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم گیارہ سال کے بعد پھر مل بیٹھے ہیں تو آیئے غور و فکر کریں کہ محترم پرویز صاحب کے اس پیغام کی مشعل برداری کا حق کس طرح ادا ہو سکے گا۔

آج کی دوسری محفلوں میں ہمارے سامنے یہی مقصود و مطلوب ہوگا۔ اور اسی کے حصول کے لئے ہمارے مستقبل کے پروگرام بنیں گے اور عمل کا جامہ پہنیں گے۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَان!

والسلام و علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

محمد عمر دراز

فکرِ پرویز ایک زندہ حقیقت

(محترم محمد اسلام، صدر کنونشن کمیٹی کا خطاب)

... فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ
(۷ : ۱۷۶)
انہیں ان کی داستان سناؤ۔ تاکہ یہ سوچیں (کہ انہیں کیا ہو گیا؟)

صدر گرامی قدر، معزز خواتین و حضرات! السلام علیکم۔

میرا تعلق ایک کٹر مذہبی گھرانے سے رہا ہے۔ گھر اور مکتب میں مجھے جو مذہبی تعلیم دی جاتی، جب کبھی میں ان پر غور کرتا، تو کئی امور ایسے سامنے آتے جن سے الجھن سی پیدا ہو جاتی۔ میں اکثر لاحول پڑھتا اور توجہ کو دوسری جانب موڑ دیتا۔ آہستہ آہستہ یہ الجھنیں ذہنی شبہات میں تبدیل ہوتی گئیں اور پھر قلبی اضطراب کا باعث بن گئیں اس دور میں بزرگوں اور خصوصاً استادِ مکرم کا رعب شدت سے مجھ پر طاری تھا اس لئے کبھی یہ جرأت ہی نہ ہو سکی کہ استادِ مکرم سے ان ذہنی پھانسوں کا ذکر کر سکوں۔ ایک مرتبہ ہمت کر کے میں نے والدِ بزرگوار سے اپنی اس پریشاں خیالی کا تذکرہ کرنا چاہا تو انہوں نے مجھے کچھ ایسی قہر آلود نگاہوں سے دیکھا کہ میں سہم کر رہ گیا۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ شکوک و شبہات پرورش پاتے رہے اور اضطراب بڑھتا رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ کرم رہا کہ کبھی سرکشی اختیار نہیں کی۔

ذہن میں جو پھانسیں تھیں ان میں ایک میخ قصۂ ابلیس و آدم کی تھی۔ مجھے جو بتایا اور پڑھایا گیا وہ یہ تھا کہ آدمؑ ایک نبی تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں آباد کیا اور حکم دیا کہ جنت میں گندم کا جو درخت

ہے اس کے قریب نہ جانا۔ شیطان آدم وحوا کو بہلا پھسلا کر گندم کے درخت کے قریب لے گیا جہاں حضرت آدم نے گندم کا دانہ کھالیا۔ اس جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا کو جنت سے نکال باہر کیا معصیت نبی کے اس تصور سے میرے قدموں کی زمین نکل جاتی تھی۔ میں سوچتا تھا کہ نہ آدم گندم کا دانہ کھاتے اور نہ آج اربوں انسان حصول رزق کے لئے جانکاہ مشقتوں میں مبتلا ہوتے۔ پھر یہ خیال بھی ستاتا تھا کہ ایک طرف تو خدا خود یہ فرماتا ہے کہ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۝ (۳۸:۵۳) کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ... لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۲۸۶ : ۲) جو صحیح کام کرے گا اس کا فائدہ اسی کو ملے گا جو غلط کام کرے گا اس کا نقصان بھی اسی کو ہوگا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ آدمؑ کے سہو کی سزا قیامت تک کے انسانوں کو بھگتنی پڑ رہی ہے۔ سب سے بڑی چیز جو ذہن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی تھی وہ یہ کہ انبیاء کا مسلک تو یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے گناہگار امتیوں کی شفاعت کر کے انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں لے جائیں گے۔ لیکن آدمؑ نے تو اپنی امت ہی کو جنت سے نکلوا دیا۔

تقسیم ہند کے بعد ہم کراچی منتقل ہوگئے۔ یہاں کے دوست احباب جن میں تقریباً ہر مکتب فکر کے لوگ شامل تھے ایک عرصہ تک مذہبی مسائل پر افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری رہا لیکن ذہنی الجھنیں بدستور قائم رہیں۔ ایک روز میرے ایک قریبی بزرگ نے بتایا کہ نیپیئر بیرکس میں ایک صاحب درس قرآن دیتے ہیں تم ان کے پاس جاؤ وہ تمہیں، تمہارے سوالات کا اطمینان بخش جواب ضرور دیں گے۔ کئی ماہ محترم پرویز صاحب کے درس سننے کے بعد آخر ایک دن درس کے بعد میں نے موصوف سے مذہب کے متعلق اپنے شکوک و شبہات اور اضطراب کا اظہار تفصیلاً کیا۔ باباجی نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے اعتراضات کو سنا اور نہایت مشفقانہ انداز سے مجھے سمجھاتے ہوئے فرمایا۔

قرآن کریم نے آدمؑ وحوا کا تذکرہ تمثیلی انداز میں پیش کیا ہے۔ اس تمثیلی داستان کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے ذہن سے اس تصور کو نکال دیں کہ یہ سچ مچ کے واقعہ کا بیان ہے۔ یہ بیان (یعنی تمثیل) نہ کسی خاص زمانے سے متعلق ہے نہ کسی خاص مقام سے یعنی یہ نہیں کہ ہزارہا سال قبل اس زمین پر یا کہیں آسمانوں پر اس قسم کا کوئی واقعہ عمل میں آیا تھا۔ ایسا نہیں۔ بلکہ اسمیں انسانی خصوصیات کو استعارہ کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ جو عبرتناک بھی ہے اور سبق آموز بھی۔

آدم وحوا (مرد اور عورت) کے نمائندہ ہیں۔ ملائکہ، فطرت کی قوتیں ہیں، جنہیں مسخر کر لینے کی صلاحیت

انسان کو ودیعت کر دی گئی ہے۔ ابلیس اس کی مفاد پرستی کے بیباک جذبات ہیں جو خود اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ شیطان اور ابلیس ایک ہی سکہ کے دو رُخ ہیں۔ شیطان، انسانی جذبات کی شعلہ مزاجی کا مظہر ہے اور ابلیس اس افسردگی اور مایوسی کا ترجمان ہے جو ہر اشتعال کا ردعمل ہوتا ہے۔

منظر اس داستان کا وہ دور ہے جس میں پہلے پہل انسانی آبادی کی نمود ہوئی تھی اس دور میں سامانِ زیست کی عام فراوانی تھی اور تمام انسان (جتنے کچھ بھی تھے) ایک برادری کی حیثیت سے رہتے تھے۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً ... (۱۰ : ۱۹) ان میں کوئی تفریق و تقسیم نہیں تھی کوئی باہمی مخاصمت اور منازعت نہیں تھی۔ کسی قسم کے جھگڑے اور قضیئے نہیں تھے اس لئے کہ وہ لوگ ابھی "میری اور تیری" کی تمیز سے ناآشنا تھے۔ وہ ایک ایسی جنت کی زندگی تھی جس کی کیفیت یہ تھی کہ۔ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ... (۲ : ۳۵) جسکا جہاں سے جی چاہتا پیٹ بھر کر کھا لیتا ... وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا (۲۰ : ۱۷) اس وقت ارض (یعنی ذریعۂ پیداوار کی حیثیت) متاع کی تھی۔ جس سے ہر ضرورت مند فائدہ اٹھا سکے۔ لیکن وہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو۔ وہ ... سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ۝ تھی (۴۱ : ۱۰) یعنی تمام ضرورتمندوں کے لئے یکساں طور پر کھلی۔ اس وقت، خدا کی بے مزد و معاوضہ عطا کردہ بخشائشوں پر نہ بند باندھے گئے تھے نہ پھاٹک لگائے گئے تھے۔ نتیجہ اس کا یہ تھا کہ اس میں ہر انسان کو اس کا اطمینان حاصل تھا کہ۔ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ۝ (۱۱۸ - ۱۱۹ : ۲۰) اسے نہ بھوک کا خوف ستا سکتا تھا نہ پیاس کا۔ نہ لباس کے متعلق کسی قسم کی پریشانی ہو سکتی تھی نہ سکونت کے متعلق اِس زندگی میں انسان سے کہہ دیا گیا تھا کہ تم سب ایک خاندان کے افراد ہو اس لئے تمہیں ایک برادری بن کر رہنا ہے۔ وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ ... (۳۵ - ۲) آپس میں مشاجرت اختیار نہ کر لینا۔ مشاجرت کے معنی ہیں ان چیزوں کا پھٹ کر الگ ہو جانا جو اصل کے اعتبار سے (شجر کی طرح) ایک ہوں۔

آدم اس اطمینان و سکون کی زندگی بسر کر رہا تھا کہ۔ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ ۝ (۱۲۰ : ۲۰) اس کے دل میں انفرادی مفاد پرستی کے سرکش جذبات نے انگڑائی لی اور انسان کے کان میں یہ افسون پھونکا کہ تجھے دوسروں کی کیا پڑی ہے تو اپنی اور اپنی اولاد کی پرورش کی فکر کر۔ اس وسوسۂ شیطانی اور افسونِ ابلیسی کا نتیجہ یہ تھا کہ آدم کی جنت اور برادرانہ اشتراک کی زندگی ختم ہو گئی اور اس کی جگہ

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (۲۰: ۳۶) کی کیفیت پیدا ہوگئی یعنی باہمی عداوت اور معاندت کی کیفیت۔ پہلے یہ برادری، خاندانوں میں تقسیم ہوئی اور ایک خاندان دوسرے خاندان کا رقیب وحریف بن گیا۔ جب انفرادی طور پر خاندانوں نے اپنے مفادات کو غیر محفوظ پایا تو چند خاندانوں نے مل کر قبیلہ کی شکل اختیار کرلی۔ اب ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مدِّمقابل کھڑا ہوگیا۔ اسطرح انسان، اس قدیم زندگی کو چھوڑ کر جسے عصرِ حاضر، زمانہ قبل از تمدن سے تعبیر کرتا ہے، دَورِ حاضر تہذیب وتمدن میں داخل ہوا۔ جوں جوں یہ تہذیبی دور میں آگے بڑھتا گیا اس کی گروہ بندیاں شدت اختیار کرتی گئیں۔ تاآنکہ اس تقسیم نے قبائل کی جگہ اقوام کی شکل اختیار کرلی۔

اس تمثیل میں فطرت کی قوتوں (ملائکہ) نے جب انسان کی انفرادی مفاد پرستیوں کے جذبہ اور اس سے پیدا شدہ "میری تیری" کی تفریق پر نگاہ ڈالی تو کہا کہ اس کے ہیولیٰ میں یہ دبی چنگاریاں اس حقیقت کی غماز ہیں کہ۔ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ... (۲: ۳۰) یہ زمین میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا۔ چنانچہ اُس اولین دور کے بعد انسانیت کی تاریخ کا بیشتر حصہ خونریزی اور ظلم واستبداد کی دلخراش داستان رہا ہے۔

زمین سے رزق حاصل کرنے کے لئے محنت درکار ہوتی ہے اور یہ رزق محنت کے تناسب سے حاصل ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جب انسان کی مشترکہ مفاد کی زندگی کی جگہ۔ انفرادی مفاد اندوزی نے لے لی تو اس میں سب سے زیادہ خوشحال اسے ہونا چاہیئے تھا جو سب سے زیادہ محنت کرے۔ لیکن ابلیس، یعنی انسان کی عقل فریب کار نے، جو اس کے جذبات کی تسکین کے لیے اسباب وذرائع تجویز کرتی ہے۔ اس کے کان میں پھر افسوں پھونکا اور اس سے کہا کہ میں تمہیں ایسی تدبیر بتاتی ہوں جس سے محنت دوسرے کریں اور تم آرام سے بیٹھے، سامانِ زیست سمیٹے جاؤ۔ اس کے لئے اس نے ذرائع رزق پر ملکیت کا تصور دیا۔ اس تصور سے ہوس پرست انسان کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ اس نے مختلف حیلہ جوئیوں اور فریب کاریوں سے زمین پر لکیریں کھینچیں اور ایک حصۂ زمین کو اپنی ملکیت قرار دے کر دوسروں کو اس سے محروم کر دیا۔ جب ان محرومین کی ذریعۂ رزق تک رسائی نہ رہی تو وہ مجبور ہوگئے کہ وہ مالکانِ اراضی کی مرضی کے مطابق محنت کریں اور ان کی دی ہوئی روٹی کھائیں۔ اس سے دنیا میں بیگار۔ یعنی غلامی کی لعنت پڑی اس سے اس ابلیسی نظام کو استواری نصیب ہوئی جس میں محنت کوئی کرتا تھا اور اس کا ماحصل کوئی اور لے جاتا تھا۔ نوعِ انسانی کی خاندانوں، قبیلوں اور قوموں

تقسیم تمدنی اور سیاسی نوعیت کی تھی لیکن بنظرِ عمیق دیکھا جائے تو یہ حقیقت نمایاں طور پر سامنے آجائے گی کہ بنیادی طور پر انسان دو ہی طبقوں میں تقسیم ہوا ہے۔ ایک طبقہ محنت کرنے والا اور دوسرا طبقہ ان کی محنت کی کمائی پر بہ آسائش زندگی بسر کرنے والا۔ اس طبقہ کو قرآن کریم مترفین کہہ کر پکارتا ہے اور نوعِ انسانی کا بدترین دشمن قرار دیتا ہے۔

"تاریخ انسانیت پر نگاہ ڈالئے، اسلوب و بیان مختلف ہوں گے۔ اسباب و ذرائع متبائن ہوں گے نقاب اور بیکر بھی متنوع ہوں گے۔ لیکن نوعِ انسانی اصولی طور پر انہی دو گروہوں میں منقسم دکھائی دے گی۔ ایک گروہ محنت کشوں کا۔ دوسرا ان کی محنت کے ماحصل کو غصب کرنے والوں کا۔ اس نظامِ معیشت و تمدن کی رُو سے اصول یہ طے پایا کہ محنت کش کو صرف اتنا دیا جائے جس سے وہ زندہ رہ سکے اور محنت کر کے کما کر دینے کے قابل رہے۔ اس سے زیادہ اس کے پاس کچھ نہ رہنے پائے۔ اور غاصبین کے پاس ان کی ضرورت سے فاضل دولت جمع ہوتی رہے۔ یہ فاضلہ دولت تمام فسادات کی جڑ ہے۔ اسی سے یہ طبقہ اقتدار حاصل کرتا ہے۔ تاریخ انسانیت میں زمامِ اقتدار کبھی محنت کشوں کے ہاتھ میں نہیں آنے پائی۔ یہ ہمیشہ غاصبین کے قبضہ میں رہی ہے۔ اُس زمانہ میں جسے عصرِ حاضر، جہالت اور بربریت کا دور کہتا ہے، یہ اقتدار خالص، طبعی قوّت کے بل بوتے پر قائم رکھا جاتا تھا۔ دورِ تہذیب میں اس قوت کو قانون کہکر پکارا جاتا ہے۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے کسی افلاطون کی عقل کی ضرورت نہیں کہ جو قانون، غاصبین محنت کا وضع اور نافذ کردہ ہو گا وہ کس کے مفاد کا تحفظ کرے گا؟ لہذا ان لوگوں کے وضع کردہ قانون کی رو سے وحدت و مساواتِ انسانیہ کیسے پیدا ہو سکے گی اور اس قسم کے قانون کے مطابق فیصلوں کو میزانِ عدل کیسے قرار دیا جا سکے گا؟

ظاہر ہے کہ خالی دھاندلی اور دھونس سے اپنے ہی جیسے انسانوں کے اسقدر، گروہِ کثیر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی گرفت میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کے لئے کچھ اور حربوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ عقل کی گرفت انسان کے دماغ پر ہوتی ہے دل پر نہیں اور دماغ پر گرفت کے ہر وقت ڈھیلا پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے اس قسم کے انسانیت کش نظام، تنہا عقل کے زور پر زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتے۔ اس کے لئے انسانی جذبات کو اپنے قابو میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ خدمت "مذہب" انجام دیتا ہے۔ (میری مراد خدا کی طرف سے عطا کردہ دین سے نہیں) انسانوں کے خود ساختہ مذہب سے ہے۔ مذہب کبھی اس زیر دست طبقہ کے دل میں یہ عقیدہ راسخ کرتا ہے کہ ہر انسان کی پیدائش اس کے سابقہ جنم کے اعمال کے مطابق ہوتی ہے۔ اس اصول

کے مطابق برہمن، برہما کے سر سے پیدا ہوتا ہے اور شودر اس کے پاؤں سے۔ یہ تقسیم خود برہما کی قائم کردہ ہے جس میں کوئی انسان رد و بدل نہیں کر سکتا۔ اس تقسیم کے خلاف لب کشائی تو ایک طرف دل میں شکوہ سنج ہونا بھی انسان کو پاپی بنا دیتا ہے، اس لئے انسان کو اپنے مقام پر شاکر رہنا چاہیئے۔ کبھی وہ اس مظلوم و مقہور کو اس فریب میں مبتلا کر دیتا ہے کہ دنیا اور اس کی آسائشیں وہ دلدل ہیں جنہیں پھنس کر انسانی روح کبھی خدا سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ تمام لذائذ و حظائظ قابلِ نفرت ہیں۔ دولتمند لوگ اس دنیا میں چند روزہ زندگی آسائشوں میں گذار لیں اس کے بعد وہ جہنم کی آگ میں جھلسائے جائیں گے۔ اور آسمان کی بادشاہت غریبوں کے حصے میں آئے گی۔ کبھی وہ اس عقیدہ میں مگن رہتے ہیں کہ امیری اور غریبی، غربت اور دولت، رزق کی تنگی اور فراوانی سب خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اسے ہر شخص کی پیدائش سے پہلے مقدر کر دیا گیا ہے۔ مقدر کا بدلنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ انسان کو ہمیشہ راضی برضا رہنا چاہیئے۔ اس لئے تقدیر کے خلاف کسی کے لب پہ حرفِ شکایت نہیں آنا چاہیئے۔ خدا قادرِ مطلق ہے وہ جسے چاہے جس حالت میں رکھے۔ اس کے فیصلوں کے خلاف لب کشائی کرنا انسان کو جہنم رسید کر دیتی ہے۔

قرآن کریم نے قصۂ آدم کے سلسلہ میں جہاں کہا تھا کہ تم نے جو انفرادی مفاد پرستی کی زندگی اختیار کی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم میں پھوٹ پڑ جائے گی اور تم ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ گے۔ اس سے لازماً یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا انسان کی یہ حالت ابدی ہوگی؟ کیا وہ اس نفسانفسی کے جہنم سے کبھی نہیں نکل سکے گا؟ قرآن نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں۔ ابدی مایوسی شرفِ انسانیت کے منافی ہے۔ انسان پھر سے اپنے فردوسِ گم گشتہ کو پا سکتا ہے۔ اس کے لئے اللہ خود اس کی مدد کرے گا۔ اسے اس کی طرف سے راہ نمائی ملے گی۔ فَمَنۡ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝ (۲ : ۳۸) جو کوئی اس راہ نمائی کی اتباع کرے گا تو اسے کسی قسم کا خوف و حزن نہیں ہوگا۔ یہ ہے سرگذشت آدم کا تمثیلی بیان، اور اس کا ماحصل۔

رفیقانِ محترم۔ قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔ وہ جہاں اقوامِ سابقہ کی سرگذشت بیان کرتا ہے تو اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان یہ معلوم کر سکے کہ سابقہ ادوار میں انسان نے کس قسم کی روشِ زندگی اختیار کی تھی اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے تھے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کا راز ان مستقل اقدار کے ساتھ وابستہ ہے جو اس مقصد کے لئے وحی کی رو سے عطا ہوئی تھیں۔ جو قوم ان اقدار کا تحفظ کرے گی، زندہ رہے گی اور آگے بڑھے گی۔ جو ان سے اعراض برتے گی۔ مصافِ زندگی میں پیچھے رہ جائے گی اور

پھر مٹ جائے گی۔ یہ تصورِ حیات، حضرات انبیاء کرامؑ کی وساطت سے خدا کی طرف سے ملا اور اب (ان اقدار کی تفصیل کے ساتھ) قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہے۔ قرآنِ کریم ان قوانین و ضوابط کا مجموعہ ہے جن کے مطابق قوموں کی موت و حیات اور عروج و زوال کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ قومیں، مادی اسباب و ذرائع میں ہزار آگے بڑھ جائیں۔ اگر وہ ان اقدارِ حیات کا تحفظ نہیں کریں گی تو کبھی زندہ نہیں رہ سکیں گی وہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل، خود اقوام سابقہ کی سرگذشت حیات سے لاتا ہے وہ کہتا ہے کہ

کیا یہ لوگ دنیا میں چل پھر کر دیکھتے نہیں کہ اقوام سابقہ کا انجام کیا ہوا وہ قومیں قوت و شوکت میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ انہوں نے زمین کے سینے کو چیر کر اس میں چھپے ہوئے خزانوں (زرعی اور معدنی پیداوار) کو باہر نکالا۔ ملکوں کو آباد کیا۔ ان کی آبادیاں، ان مخاطبین کی آبادیوں سے کہیں زیادہ تھیں۔ خدا کے رسول ان کی طرف واضح قوانین و اقدار لیکر آئے۔۔۔ لیکن انہوں نے انہیں جھٹلایا۔ ان کا تمسخر اڑایا۔ اور اپنی اسی روش پر قائم رہے جس سے معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہوتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا توازن بگڑ گیا اور وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ (۱۰-۹ : ۳۰)

اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ ہر قریہ، ہر بستی میں انبیائے کرامؑ کو مبعوث فرمایا۔ جو لوگوں کو ان کی غلط ہتیا کن روشِ زندگی کے انجام سے آگاہ کرتے اور امن سلامتی کی خوشگوار زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے۔ لیکن ہوتا یہ رہا کہ جب ایک نبی دینِ خداوندی دے کر چلا جاتا تو اس کے بعد اس قوم میں ایسے مفاد پرست لوگ پیدا ہو جاتے جو اس دین کو اپنے خیالات کی آویزش سے "مذہب" میں تبدیل کر دیتے۔ یہ لوگ خود شریعت وضع کرتے اور اسے خدا کے نام پر منسوب کر دیتے۔ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ ... (۷۹) ۲ : ۷۹) وہ خود شریعت وضع کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اس طرح خدا کا دین مذہب میں تبدیل ہو جاتا۔ دنیا کے مذاہب خدا کی طرف سے دیئے ہوئے دین کی مسخ شدہ صورتوں ہی کا مظہر ہیں۔

انسان کے خود ساختہ شریعت کے نفاذ، قانونِ خداوندی سے انحراف اور سرکشی کا انجام یہ ہوا کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کی بستیاں کھنڈرات میں تبدیل ہو گئیں۔ قرآنِ کریم نے اقوام سابقہ کی سرگذشتیں بیان کرتے وقت ان کے ان جرائم کو ابھار کر بیان کیا ہے جن کی وجہ سے وہ اس قدر شان و شوکت اور ساز و سامانِ حیات

کے باوجود تباہ ہوگئیں۔

قومِ نوحؑ۔ کی تباہی کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ان کے ہاں عزت و شرف کا مدار دولت قرار پاگئی تھی اور ان کا دولت مند طبقہ محنت کشوں کو ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

قومِ عاد۔ کی حالت یہ تھی کہ مستبد حکمران طبقہ نے عوام کو بری طرح اپنے استبداد کے شکنجوں میں جکڑ رکھا تھا۔

قومِ ثمود۔ کا معاشی نظام ایسا تھا جس کی رُو سے رزق کے سرچشموں پر اربابِ سطوت کا قبضہ تھا اور غریبوں کے مویشی نہ چشموں سے پانی پی سکتے تھے نہ چراگاہوں میں چر سکتے تھے۔

قومِ مدین۔ صنعت و کاروبار کی حامل تھی لیکن کیفیت یہ کہ نہ مزدور کو اس کی محنت کا پورا معاوضہ ملتا تھا۔ نہ خریدار کو صحیح ناپ تول کے مطابق مال۔

قومِ لوط۔ جنسی بدنہادی میں حدود فراموش واقع ہوئی تھی۔

فرعون کی سیاست یکسر حکمتِ میکیاولی کا عکس تھی۔ وہ قوم کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کرکے اس کی اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کئے رہتا۔ کبھی ایک پارٹی کو اوپر چڑھاتا کبھی دوسری کو۔ جن لوگوں میں ذرا جوہر مردانگی کی نمود دیکھتا انہیں ذلیل اور تباہ کر دیتا۔ جو، ان جوہروں سے عاری ہوتے انہیں بلند مراتب عطا کرتا۔

قومِ بنی اسرائیل جب اپنے عروج کے بعد آمادہ بہ زوال ہوئی ہے تو قرآن کریم نے ان کی خرابیوں کو ایک ایک کرکے گنایا ہے۔ وہ کبھی اپنے وعدوں پر قائم نہیں رہتے تھے (۲:۱۰۰) معاشرہ میں برائیاں عام ہو رہی تھیں لیکن ذمہ دار طبقہ ان برائیوں کی روک تھام کا کوئی انتظام نہیں کرتا تھا (۵:۷۹) ناجائز طریقوں سے دوسروں کا مال کھا جانے کی روش عام تھی (۴/۱۶۱) ربٰو (یعنی محض سرمایہ پر منافع لے لینا) ان کے ہاں حرام تھا لیکن اس کا کاروبار کھلے بندوں ہوتا تھا (۴:۱۶۱) حرص و ہوس کا یہ عالم تھا کہ باہمی رضامندی سے طے کرتے کہ ہفتہ میں ایک دن کاروبار کا ناغہ کریں گے (سبت) لیکن چور دروازوں سے کاروبار کرتے تھے۔ مذہبی پیشواؤں کا جو طبقہ اپنے آپ کو وارثِ کتاب قرار دیتا وہ چند ٹکوں کے عوض دین فروشی پر اُتر آتا اور یہ کہکر اپنے آپ کو فریب دے لیتا کہ خدا بڑا غفور الرحیم ہے وہ ہمیں ضرور بخش دے گا۔ (۷:۱۶۹)

عہدِ قدیم میں چونکہ وسائل رسل و رسائل اور سامانِ مواصلات بہت محدود ہوتے تھے اس لئے انبیاء کرامؑ کی دعوت ان کے علاقوں میں محدود ہو کر رہ جاتی تھی اور تمام نوعِ انسانی کو امتِ واحدہ بنانے کا پروگرام عالمگیر

نہیں ہو سکتا تھا وہ اپنے حیطۂ اثر کے علاقوں میں بسنے والے لوگوں کو، خاندان، قبیلہ، نسل کے امتیازات سے بلند کر کے خالص انسانیت کی بنیادوں پر ایک مشترک برادری کی تشکیل کرتے تھے۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیتے تھے وہ ایک برادری کے افراد بن جاتے تھے جو اس کی مخالفت کر کے، طبقاتی تفریق کی گرہوں کو مستحکم رکھنا چاہتے تھے وہ فریق مخالف قرار پاتے تھے۔ یہی بنیادی طور پر کفر اور اسلام کا امتیاز تھا۔ آسمانی رشد و ہدایت کی ساری تاریخ انہی دو گروہوں کے باہمی تصادم و تزاحم کی داستان ہے۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تا آنکہ جب انسانیت کے سن بلوغ کو پہنچنے کا زمانہ آگیا تو خدا کی طرف سے آخری نبیؐ آیا اور اپنے ساتھ وہ ضابطہ ہدایت لایا جس میں اس مقصد کے حصول کا مکمل پروگرام قیامت تک کے لئے دے دیا گیا۔ نبی آخر الزمانؐ نے آکر اعلان فرمایا کہ يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ... ○ (۷:۱۵۸) اے نوع انسان میں تم سب کی طرف خدا کا آخری رسول ہوں۔

رسالت محمدیہؐ کا مقصود کیا ہے؟ نبیؐ آخر الزمان نے نوع انسانی کو کیا دیا ہے؟ آپکا وہ کون سا کارنامہ ہے جسکی وجہ سے حضورؐ ختم المرتبت کا نام گرامی محسنین عالم انسانیت کی لوح پر چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ قرآن کریم نے ان تفاصیل کو بڑی حسن و خوبی سے ایک فقرہ میں سمٹا کر رکھ دیا ہے۔ سورۂ اعراف میں بعثت محمدیؐ کی غرض و غایت کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ○ (۷:۱۵۷) (وہ نوع انسانی کے سر سے ان تمام بوجھوں کو اتار کر رکھ دے گا جن کے نیچے وہ دبی ہوئی ہے۔ اور ان تمام زنجیروں کو توڑ دے گا جن میں وہ جکڑی ہوئی ہے) وہ کون سے بوجھ تھے اور وہ کونسی زنجیریں تھیں جنہیں انسانیت دبی اور جکڑی ہوئی تھی؟ ان کی تفصیل تو طویل ہے لیکن اگر مختصراً دو لفظوں میں بیان کرنا مقصود ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ۔ بوجھ، وہ زنجیریں ارباب قوت و اقتدار کا استبداد تھا جس نے انسانیت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ اس استبداد کی نوعیتیں مختلف تھیں لیکن قرآن کریم نے انہیں تین بڑی بڑی شقوں میں تقسیم کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ استبداد کی نوعیت کچھ ہی کیوں نہ ہو، وہ اصل کے اعتبار سے ان تین شقوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوگا۔ ان شقوں کو قرآن کریم نے "داستان بنی اسرائیل" میں یکجا بیان کیا ہے۔ (۱) ملوکیت کا استبداد جس کا نمائندہ فرعون تھا (۲) پیشوائیت کا استبداد، جسکی زنجیریں جسم ہی کو نہیں۔ انسان کے قلب و دماغ کو بھی جکڑ دیتی ہیں۔ اس کا ترجمان ہامان تھا اور (۳) سرمایہ پرستی کا استبداد۔ جو شیروں کو لومڑی بنا دیتا ہے۔ اس کا مجسمہ قارون تھا۔ فرعون۔ ہامان۔ قارون۔ یہ تین شخصیتیں نہیں تین گروہ یا تین ذہنیتیں ہیں۔ تاریخ انسانیت پر نگاہ ڈال لیجئے۔ ہر جگہ یہی نظر آئے گا کہ ملوکیت، پیشوائیت اور سرمایہ داری نے اپنے ناپاک گٹھ جوڑ سے انسانیت کا گلا گھونٹ رکھا ہے۔ ملوکیت انسان کی طبعی آزادی کو سلب کرتی ہے۔ پیشوائیت اس کی فکری صلاحیتوں

کو مفلوج کرتی ہے۔ اور سرمایہ داری اس کی اخلاقی جرأتوں کو پامال کرتی ہے یہ تھیں استبداد کی زنجیریں جنہیں نظامِ خداوندی کے تیشہ سے نبیؐ آخر الزمان نے ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دیا۔ اور یہی وہ کارنامۂ عظیم تھا جسکی بنا پر حضورؐ رحمت للعالمین قرار پائے۔

ملوکیت کے استبداد کو ختم کرنے کے لئے قرآن نے یہ انقلاب آفرین پیغام حضورؐ کی وساطت سے نوعِ انسان کو دیا کہ۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... ٥ (۳ : ۷۹) کسی انسان کو یہ بات سزاوار نہیں کہ اللہ اُسے (انسانوں کی ہدایت کے لئے) کتاب، حکومت اور نبوت ہی کیوں نہ عطا فرمائے اور وہ یہ کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ (یعنی خدا کے احکام کی جگہ میرے حکموں کی اطاعت کرنے لگو) اس پیغام سے یہ بات واضح کر دی گئی کہ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنا محکوم بنائے۔ اس اصولی اعلانِ عظیم کی رُو سے جہاں ایک انسان، بادشاہ یا ڈکٹیٹر کا حقِ حکومت ختم ہو جاتا ہے۔ وہاں انسانوں کی جماعت، جمہوری نظام کی اکثریت کا حقِ حکومت بھی باطل قرار دیا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں من دون اللہ کے الفاظ اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ حقِ حکومت انسانوں کو نہیں بلکہ صرف خدا کو حاصل ہے۔

اسی آیت کے باقی ماندہ حصے سے اس کی وضاحت بھی بخوبی ہو جاتی ہے کہ "خدا کی حکومت" اس کتاب کی رُو سے قائم ہوتی ہے جسے وہ بطور اپنے، ضابطۂ حکومت کے نازل کرتا ہے۔ اس حقیقت کو ایک دوسرے مقام پر یہ کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ ... ٥ (۵ : ۴۴) جو شخص اس (کتاب) کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتا جسے اللہ نے نازل کیا ہے تو یہی لوگ کافر ہیں۔

پیشوائیت کا خاتمہ اس نے یہ کہہ کر کر دیا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی حاجب و دربان نہیں۔ اس نے صرف پیشوائیت ہی کو ختم نہیں کیا، بلکہ خود سلسلۂ نبوت کو بھی یہ کہہ کر ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا کہ نوعِ انسانی کی راہ نمائی کے لئے جس قدر اصولی تعلیم کی ضرورت تھی اُسے مکمل شکل میں دے کر قرآن کی دفتین میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اب انسان ان اصولوں کی روشنی میں زندگی کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا حل اپنے علم و بصیرت کی رو سے خود تلاش کرے۔

سرمایہ داری کا خاتمہ اس نے اس اعلان سے کر دیا کہ۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ٥ (۵۳ : ۳۹) (معاوضہ بقدر محنت) کائنات کا قانون ہے اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص محنت نہ کرے اور اس کی ذمہ داریوں کا بوجھ دوسرے لوگ اٹھائیں۔ سورۂ بقرہ میں ہے کہ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ... (۲ : ۲۱۹)

...پوچھتے ہیں کہ نظامِ ربوبیت میں کس قدر حصہ مفادِ عامہ کے لئے کھلا رکھنا ہوگا۔ اس کے جواب میں کہا ...ہے۔ قُلِ الْعَفْوَ۔ جو کچھ تمہاری اپنی ضروریات (پرورش) سے زیادہ ہے وہ سب کا سب مفادِ ...کے لئے کھلا رکھو۔ لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ... ۵ (۳:۹۱) اگر تم وسعت ...چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی محنتوں کا عزیز ترین ماحصل ربوبیتِ عامہ کے لئے کھلا رکھو اس ...ن کیا کہ وسائلِ پیداوار خدا کی بخشش ہیں جن کا مقصد تمام نوعِ انسانی کی ربوبیت ہے اس لئے ...کو زیبا نہیں کہ ان کی حدبندی کر کے انہیں اپنی ملکیت میں لے لے۔ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا۔ ...جو کچھ رب کی طرف سے عطا ہوا ہے اسے روکا نہیں جا سکتا۔

قرآنِ کریم کے ان بسیط حقائق اور فطری قوانین کو ایک جیتے جاگتے عملی نظام کی شکل میں سب سے پہلے ...کرم نے قائم کیا۔ حضور ختم المرتبتؐ نے کتاب اللہ کے مطابق عملی معاشرہ (نظامِ مملکت یا حکومت) قائم ...کے یہ ثابت کر دکھایا کہ قوانینِ خداوندی کی اتباع ناممکن العمل نہیں اور یہی تھا وہ کارِ نمایاں جو نبی آخر الزماں نے ...انجام دیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ آنے والے انسانوں کے لئے اسوۂ حسنہ بنتی ہے۔

دین کے ساتھ جو کچھ اقوامِ سابقہ کے ہاتھوں ہوا تھا وہی کچھ اسلام کے ساتھ بھی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو قرآنِ کریم میں مکمل کر دیا اور حضورؐ نے اس قرآن کو امت کو دے دیا۔ لیکن حضورؐ کی تشریف برادری کے تھوڑا عرصہ بعد مفاد پرست قوتوں نے پھر ابھرنا شروع کر دیا۔ اس دفعہ پہلے ملوکیت آئی۔ اس کے ساتھ سرمایہ داری اور ان دونوں نے اپنے تحفظ کے لئے دین کو مذہب میں بدلنا شروع کر دیا چنانچہ یہ دین بھی آہستہ آہستہ اسی طرح مذہب میں تبدیل ہو گیا جس طرح سابقہ انبیاء کا لایا ہوا دین تبدیل ہوا تھا۔ اس فرق کے ساتھ کہ اس دین کا ضابطہ، قرآنِ کریم، اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہا کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا تھا لیکن اس کتاب کا محفوظ رہنا، مذہب کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ چنانچہ اس نے اسے قوم کی زندگی سے عملاً خارج کرنے اور اس طرح اسے ایک ضابطۂ حیات کے طور پر غیر مؤثر بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ نبیؐ آخر الزماں کے بعد کسی اور نبی کو نہیں آنا تھا جو دین کو اس کی اصلی شکل میں پھر سے دنیا کے سامنے پیش کرتا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، کیونکہ دین، قرآنِ کریم کے اندر منضبط تھا اور قرآن حرفاً حرفاً محفوظ۔ اس لئے اب دین کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرنے کی صورت یہی تھی کہ قرآنِ کریم کو زندگی کا عملی ضابطہ بنانے کی سعی کی جائے۔ یہی وہ کوشش تھی جو ہمارے زمانے میں تحریکِ پاکستان کی شکل میں سامنے آئی۔ پاکستان کے مطالبہ کی بنیاد اس حقیقت پر رکھی تھی کہ قرآنِ کریم مسلمانوں کی عملی زندگی کا ضابطہ اسی

صورت میں بن سکتا ہے جب ان کی اپنی آزاد مملکت ہو۔ جس میں قرآنی اصول و احکام نافذ کئے جا سکیں غیروں کی حکومت میں مذہب تو باقی رہ سکتا ہے دین نہیں رہ سکتا جیسا کہ آپ کو علم ہے تحریکِ پاکستان کی سب سے زیادہ مخالفت ہمارے مذہب پرست طبقہ کی طرف سے ہوئی تھی یہ درحقیقت دین اور مذہب کی وہی کشمکش تھی جو ازل سے تا امروز ستیزہ کار چل رہی ہے۔

مذہب کی اولین کوشش یہ ہوتی ہے کہ مملکت کا پورا اقتدار مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں رہے اور حکمران طبقہ ان کے خود ساختہ فیصلوں کو نافذ کرنے کی مشینری کا کام دے اس انداز کو تھیاکریسی کہتے ہیں لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو مذہبی پیشوائیت کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مملکت میں ایسا نظام قائم ہو سکے جس میں امورِ سیاست حکومت کی تفویض میں رہیں اور امورِ مذہب، مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں، اسے سیکولر اندازِ حکومت کہا جاتا ہے۔ ہمارے قرنِ اول کے بعد جب دین مذہب میں تبدیل ہو گیا تو مسلمانوں کی حکومت کا انداز سیکولر تھا۔ اسی انداز کو انگریزوں نے ہندوستان میں قائم رکھا۔ ان کے عہدِ حکومت میں پرسنل لاز، اربابِ مذہب کے سپرد اور پبلک لاز حکومت کی تحویل میں تھے۔ تحریکِ پاکستان سے مقصود یہ تھا کہ اس مملکت میں دین کی حکمرانی ہو۔ ظاہر ہے اس میں (ملوکیت اور سرمایہ داری کی طرح) مذہبی پیشوائیت کی بھی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ دوسری طرف ہندو نے یقین دلایا کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد، مملکت کا نظام بدستور سیکولر رہے گا۔ چنانچہ یہ انداز مذہبی پیشوائیت کو SUIT کرتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ہندوؤں سے مفاہمت کر لی۔ مذہب اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے ہر ایک سے مفاہمت کر سکتا ہے لیکن دین۔ لاشریک ہوتا ہے اس لئے وہ کسی سے مفاہمت نہیں کر سکتا۔

مذہبی طبقہ کی اس مخالفت کے باوجود، پاکستان وجود میں آگیا اور اس کے ساتھ ہی مخالفین کا یہ لشکر بھی ادھر امڈ آیا۔ اس طبقہ کی انتہائی کوشش یہی رہی کہ یہاں قرآن کی حکمرانی قائم نہ ہونے پائے۔ اس کی بجائے یہ چاہتے تھے کہ اولاً یہاں تھیاکریسی قائم ہو جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو، سیکولر حکومت قائم ہو جائے جس میں پبلک لاز حکومت کے ہاتھ میں رہیں اور پرسنل لاز مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں۔ ان حضرات کی یہ کوشش دستور سازی کے سلسلہ میں برابر جاری ہے۔ چنانچہ پہلی دستور ساز اسمبلی کے پیشِ نظر یہ تجویز تھی کہ قانون سازی کے آخری اختیارات ایک علماء بورڈ کے سپرد کر دیئے جائیں۔ یہ تھیاکریسی ہی کی ایک شکل تھی۔ اس لئے یہ حضرات اس پر بہت خوش تھے چنانچہ ۱۹۵۶ء کا دستور جس کے منظور ہونے پر ان حضرات کی طرف سے شادیانے بجائے گئے تھے جب وہ اسمبلی ٹوٹ گئی تو ان کی کوشش سیکولر انداز کی طرف منتقل ہو گئی اور اب پھر یہ تھیاکریسی کے قیام کے لئے دھمکیاں دیتے پھر رہے تھے۔

رفیقانِ گرامی۔ یہ طلوعِ اسلام ہی تھا جس نے تقسیم ہند سے قبل قائداعظمؒ کے ہاتھ مضبوط کرنے اور حصولِ پاکستان کی جدوجہد کو کامیاب بنانے کے لئے دشمن کی ایک منظم فوج کا مقابلہ نہایت عزم و ہمت سے کیا تھا جو جبہ و دستار میں لپٹے ہوئے لات و منات کی طرح قال اللہ و قال الرسول کالبادہ اوڑھ کر، خدا اور تقاضائے ایمان کو دشمن کے ہاتھوں فروخت کر کے دشمن کے آلۂ کار کی حیثیت سے آگے بڑھی تھی۔

طلوعِ اسلام ہی پورے عالم اسلامی میں وہ واحد ادارہ ہے جس نے چاروں طرف سے چھائی ہوئی مایوسیوں میں مسلمانوں کو پکارا اور بتایا کہ ان کی ذلت و زبوں حالی کا سببِ واحد یہ ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی کتاب اور اس کی عطا فرمودہ روشنی سے دور جا پڑے ہیں۔ مسلمانوں کی بازآفرینی کے لئے یہی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ جس طرح خدا کی دی ہوئی روشنی نے اس قوم کو آج سے چودہ سو سال قبل ترقی اور عروج کے بامِ ثریا تک پہنچا دیا تھا یہ قوم پھر اسی مینارۂ نور سے کسبِ ضیاء کرے اور اپنی زندگی کو اسی قالب میں ڈھال لے۔

طلوعِ اسلام زندگی کے حقائق پیش کرتا ہے اس کی دعوت، تعینِ منزل (ایمان) اور حرکتِ پیہم (عمل) کی دعوت ہے۔

طلوعِ اسلام جس صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام میں نظام کی بنیاد عقیدۂ توحید ہے۔ جو ایک عبدِ مسلم کے فکر و نظر اور اعمال و احوال کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔ توحید سے مفہوم یہ ہے کہ حاکمیت کا اقتدارِ اعلیٰ صرف خدا کو حاصل ہے یعنی انسان کو خواہ وہ ایک فرد ہو یا افراد کا مجموعہ، دوسرے انسانوں پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ قرآنی مملکت کے نظام میں حاکم اور محکوم کا تصور نہیں ہوتا۔ مملکت کا بنیادی فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ قرآن نے یہ فریضہ امت کے کسی خاص گروہ کا قرار نہیں دیا بلکہ ساری کی ساری امت کا قرار دیا ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے تقسیمِ عمل کے اصولوں کے مطابق مختلف کام مختلف افراد کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں یعنی قرآنی نظام کی خصوصیتِ کبریٰ یہ ہے کہ اس میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر نہ کسی قسم کا کوئی کنٹرول یا حقِ حکومت رکھے نہ کوئی کسی دوسرے کا محتاج ہو اور اس طرح کوئی انسان کسی دوسرے انسان کی محکومی اور غلامی میں نہ رہے خواہ یہ غلامی ذہنی اور فکری ہو اور خواہ طبعی اور اقتصادی۔

طلوعِ اسلام کہتا ہے کہ انسانیت کا نشو و ارتقاء زندگی کو ان قوانین کے ماتحت بسر کرنے سے ہوتا ہے جو خدائے رب العالمین کی طرف سے ملے ہیں۔ ان قوانین کے مجموعے کا نام قرآن ہے یہی حکومت الٰہیہ کا ضابطۂ آئین ہے۔ قرآن تمام نوعِ انسانی کے لئے واحد اور مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کے ساتھ وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ لہٰذا، نہ قرآن کے بعد خدا کی طرف سے کوئی اور کتاب آسکتی ہے اور نہ رسول اللہؐ کے بعد

کوئی نبی۔

طلوع اسلام کہتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کا انداز یہ ہے کہ اس میں (بجز چند احکام) زندگی کے مختلف تقاضوں کے متعلق اصولی ہدایت دی گئی ہیں اور امت مسلمہ سے کہا گیا ہے کہ وہ ان اصولوں کی چاردیواری میں رہتے ہوئے پیش آمدہ امور کے لئے اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزوی قوانین خود مرتب کریں۔ اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے لیکن ان کی روشنی میں مرتب کردہ قوانین بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہیں گے۔ اس طرح امت کا نظام خدا کی طرف سے عطاکردہ مستقل اقدار کا دامن تھامے ہوئے نہ صرف زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دیتا ہوا، بلکہ ان کی امامت کرتا ہوا آگے بڑھتا جائے گا۔

طلوع اسلام کہتا ہے کہ قرآن کریم کا دعویٰ علم پر مبنی اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔ قرآنی حقائق کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک انسانی علم ترقی کر چکا ہے وہ انسان کے سامنے ہو اور کیونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے تمام کائنات انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھی ہے اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر ضروری ہے۔

طلوع اسلام کہتا ہے کہ ذات پات یا رنگ، نسل، وطن کی تقسیم طاغوتی طاقتوں کی پیدا کردہ ہے۔ قرآن کریم ذات پات کی اس تقسیم کو توڑ کر اس انقلاب عظیم کا اعلان کرتا ہے کہ تمام نوع انسانی اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہے۔ اس لئے تمام روئے زمین کے انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد اور ایک شجر بلند و بالا کی شاخیں ہیں۔

طلوع اسلام کہتا ہے کہ قرآن کریم کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کے باہمی اختلافات کو مٹا کر مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو ایک امت واحدہ میں تبدیل کر دے۔

طلوع اسلام کہتا ہے کہ آج بھی مملکت پاکستان کی سالمیت اور بقاء و استحکام کا جذبۂ محرکہ وحدت مقصد کے سوا اور کوئی نہیں بن سکتا۔ جب ہم نے اپنی جداگانہ مملکت کے قیام کی وجہ جواز --- پیش کی تھی تو اپنے آپ کو ایک قوم کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس میں ایک قوم کے دعوے کی بنائے اشتراک وطن، صوبے، رنگ یا نسل کا کوئی تصور نہ تھا بلکہ یہ بنائے اشتراک اسلام اور صرف اسلام تھا دین و ایمان کی اشتراک کی بنا پر ایک قوم کی صورت میں متشکل ہونے کا مقصد یہ ہے کہ جن قرآنی اصولوں و اقدار پر ہم ایمان رکھتے ہیں، انہیں پاکستان میں ایک نظام زندگی کی حیثیت سے عملاً متشکل کیا جائے۔ یہی وہ وحدت مقصد ہے جو ہمیں صحیح معنوں میں ایک قوم بنا سکتی ہے۔

طلوعِ اسلام کہتا ہے کہ قرآن کریم کی واضح تعلیم کی رُو سے مذہبی فرقوں کا وجود شرک ہے اور سیاسی پارٹیوں کا وجود سیاستِ فرعونی کی ایجاد ہے۔ لہذا، اُمتِ مسلمہ کی مجلس مشاورت میں حزب اقتدار اور حزبِ مخالف کا وجود قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اُمتِ مسلمہ غیر مسلموں کے مقابلہ میں خود ایک پارٹی ہے جسے قرآن حزب اللہ کہہ کر پکارتا ہے اور اس کے مخالف گروہ کو حزب الشیطان۔

طلوع اسلام کہتا ہے کہ دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے ذہنی جلا ہی کافی نہیں، اس کے لئے قلبی تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے جو درحقیقت اعمال انسانی کا سرچشمہ ہے۔ عمل کا جذبۂ محرکہ قوتِ ارادی ہے اور قوتِ ارادی کے منبع کو محرکہ کہا جاتا ہے۔

طلوعِ اسلام کہتا ہے کہ وہ ایمان جو خالی الفاظ کا مجموعہ سمجھ لیا جائے اور اس کی تصدیق اعمالِ حیات نہ کریں برف کا ایسا تودہ بن جاتا ہے جو رگوں میں دوڑنے والے خونِ گرم کے ہر قطرہ کو منجمد کر کے رکھ دیتا ہے۔

طلوع اسلام کہتا ہے کہ قانونِ خداوندی کی رُو سے حیات۔ مرگِ باشرف کو کہتے ہیں اور موت۔ حیاتِ بے شرف کا نام ہے۔ زندگی مجاہدانہ تگ و دَو کا نام ہے اور بے عملی کا دوسرا نام موت ہے۔

طلوع اسلام کہتا ہے کہ قرآنی انقلاب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہنگامی شورش برپا کرنا نہیں سکھاتا وہ اپنی اساس، فکری تبدیلی پر رکھتا ہے جسے وہ علیٰ وجہ البصیرت پیدا کرتا ہے لیکن وہ اس کے ساتھ ہی جذبات کی بھی حُسن کارانہ انداز سے پرورش کرتا اور تربیت کرتا ہے۔ جو انقلاب کی قوت محرکہ ہوتے ہیں وہ قلب اور دماغ، عقل اور عشق، جنون اور خرد، ذکر اور فکر، خبر اور نظر، دلائل اور جذبات کے صحیح امتزاج سے داخلی اور خارجی دنیا میں ایسی تبدیلی پیدا کرتا ہے جس میں ہر قدم تعمیر کے لئے اٹھتا ہے۔ جنون اور خرد جیسے متضاد عناصر میں ہم آہنگی پیدا کر کے انہیں ایک بے پناہ قوت کا امین بنا دینا قرآن کی بنیادی خصوصیت ہے۔

طلوع اسلام کہتا ہے کہ نبی اکرمؐ کی سیرتِ مقدسہ شرف و عظمتِ انسانیت کی معراجِ کبریٰ ہے یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام بنی نوعِ انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ رسول اللہؐ نے سب سے پہلے دین کا نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی۔ رسول اللہؐ کے بعد، دین کا یہی نظام حضورؐ کے خلفائے راشدینؓ نے جاری رکھا۔ اس میں امورِ مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو رسول اللہؐ کے زمانہ میں تھا یعنی قرآن کریم کی اطاعت۔ اس طریقہ کو خلافت علیٰ منہاج نبوت کہا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاج نبوت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہو گیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔ اس سے امت میں انتشار پیدا ہو گیا۔ خلافت کے زمانے میں تمام امور دین کے نظام کے تابع رہتے تھے لیکن اب مذہب اور سیاست میں ثنویت پیدا ہو گئی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔ ہمارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ

منہاج رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے جو امت کو اس کی طرف سے جاری کردہ احکام کی پیروی کر کے یا طاعت خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے قائم مقام قرار پائے گی۔ ظاہر ہے اس نظام کے چلانے والوں کو اپنی زندگی سب سے پہلے قوانین خداوندی کے تابع کرنی ہوگی۔

برادران محترم۔ طلوع اسلام قریب چالیس سال سے قرآن کریم کی آواز کو بلند کر رہا ہے اور بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہے کہ اس نے طلوع اسلام کی آواز میں وہ برکت عطا کی ہے کہ اس نے مسلمانوں کے حساس تعلیم یافتہ اور سنجیدہ طبقہ کے زاویۂ نگاہ میں امید افزا تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ قرآن کریم کی یہ آواز اب اسقدر عام ہو چکی ہے کہ اسکا سیل رواں مخالفت کے خس و خاشاک سے رُک نہیں سکتا۔ جن سروں میں خدا کی کتاب عظیم کا سودا سما جائے، اُن کی زبانیں اس کے تذکرہ سے کیسے رُک سکتی ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس بلند و بالا مقصد کے حصول کے لئے وقف ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے ابدی حقائق تابندہ ستاروں کی طرح جگمگ جگمگ کرتے دنیا کے سامنے آجائیں۔ اور خدا کا متعین کردہ نظام، دنیا میں عملاً متشکل ہو جائے تاکہ نوعِ انسانی جن تاریکیوں میں بھٹک کر صحیح راستہ کھو چکی ہے وہ تاریکیاں چھٹ جائیں۔

برادران عزیز۔ کوئی بیمار کسی طبیب کے علاج سے صحت مند ہو جائے تو کچھ عرصہ بعد وہ طبیب کو بھول جاتا ہے لیکن کسی جنم کے اندھے کو کوئی طبیب بینائی عطا کر دے تو وہ اس طبیب کو بھلا نہیں سکتا۔ یہی حال میرا ہے کہ ظلمت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں صراط مستقیم کی تلاش میں در بہ در کی ٹھوکریں کھاتا رہا اور بینائی تو کجا، کوئی دستگیر بھی نہ ملا۔ آخر خالق کائنات کو میری کسمپرسی پر رحم آگیا اور اس نے مجھے مفکرِ قرآن پرویزؒ کی بارگاہ تک پہنچا دیا جس کے پاس ایک ایسا نسخہ کیمیا تھا جس نے مجھے بینائی عطا کر دی۔ ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس مردِ درویش پرویزؒ پر جس کی قرآنی بصیرت نے مجھے اور مجھ جیسے ہزاروں گم کردہ راہوں کو صراطِ مستقیم کی راہ دکھائی اور جس کی وجہ سے آج ہم قرآن کریم کی شمع کو ہاتھ میں لئے فخر سے سر بلند کر کے چلنے کے قابل ہو گئے۔

والسلام

محمد اسلام

احباب ٹیلیفون نمبر کی تبدیلی نوٹ فرمالیں
نیا ٹیلیفون نمبر 875908

رپورٹ

ناظمِ ادارہ طلوعِ اسلام

رفقائے محترم۔ سلام ورحمت!

سابقہ کنوینشن گیارہ سال قبل اکتوبر ۱۹۷۶ء میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کے بعد ملکی حالات کچھ اس طرح سے بدلے کہ کنوینشن کا انعقاد نہ ہو سکا۔ پھر ۱۹۸۵ء میں محترم باباجی کی وفات ہو گئی۔ اور ادارہ اپنے انتظامی معاملات میں ایسا الجھا کہ کنوینشن کا انعقاد آج سے پہلے ممکن نہ ہو سکا۔

محترم باباجی کی وفات کے بعد بزم ہائے طلوعِ اسلام کے نمائندگان کے اجتماع مورخہ ۱۲ اپریل ۱۹۸۵ میں فیصلہ ہوا کہ ادارہ کی از سرِ نو تشکیل کی جائے۔ چنانچہ ادارہ طلوعِ اسلام کی تشکیلِ نو کے بعد اسے باقاعدہ (رجسٹرڈ) کرا لیا گیا ہے۔ اب اس کی کونسل تین تاحیات ممبران کے ساتھ جملہ نمائندگانِ بزم ہائے طلوعِ اسلام پر مشتمل ہے اور روزانہ کے کاروبار کو چلانے کے لیے تیرہ (۱۳) رکنی (Executive committee) ہے۔ اس طرح ادارہ اب آپ احباب کی زیرِ سرپرستی چل رہا ہے۔

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) نے حسبِ خواہشِ نمائندگان پہلا کام یہ کیا کہ محترم باباجی کی جملہ شائع شدہ کتب رجسٹرڈ ادارہ کے لیے حاصل کیں جس کے لیے احباب نے قرضِ حسنہ دیا۔ اس کے بعد تمام احباب کے مشورہ سے اور نمائندگان کے خصوصی اجتماع منعقدہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے فیصلہ کے مطابق طلوعِ اسلام ٹرسٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اور اسے رجسٹر کروا لیا گیا ہے۔ ٹرسٹ کے قیام کی تمام تر جدوجہد کا سہرا آپ احباب اور آپ نمائندگان کے سر ہے۔ ٹرسٹ ڈیڈ کی نقول جملہ بزموں کو ارسال کر دی گئی ہیں اسلئے اس کا تفصیلی تذکرہ اس موقعہ پر ضروری نہیں البتہ یہ ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ بملہ کتب جو احباب کے قرضِ حسنہ سے خریدی گئی تھیں۔

انہیں قرض دہندگان کی ہدایت کے مطابق بطورِ عطیہ ٹرسٹ کی تحویل میں دے دیا گیا ہے۔ اب طلوعِ اسلام ٹرسٹ ہی جملہ کتب و فرمودات پرویزؒ کی طباعت ونشرواشاعت کا ذمہ دار ہے اور ان شرائط کا پابند ہوگا جو اس کے اور محترم باباجی کے وارثان کے درمیان محترم ڈاکٹر عارف بٹالوی صاحب کے

توسّط سے تحریری طور پہلے پا چکی ہیں۔

ان نئے انتظامات کے تحت ادارہ طلوعِ اسلام صرف رسالہ طلوعِ اسلام کی طباعت و اشاعت کا کام کر رہا ہے اور جملہ بزم ہائے طلوعِ اسلام کے درمیان رابطہ اور نظامت کے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔

ادارہ نے گذشتہ دو سالوں میں اشاعت کتب کے بارے میں جس قدر کام کیا ہے اسکا تذکرہ طلوعِ اسلام ٹرسٹ سے متعلق رپورٹ میں آئے گا۔

آپ کو شائد اس بات کا علم ہو کہ محترم پرویزؒ صاحب آپ کی تحریک کے لیے اس کا اپنا پریس قائم کرنا چاہتے تھے کیونکہ کتابوں کی کتابت سے لے کر طباعت اور جلد بندی تک جن جانکاہ مراحل سے گذرنا پڑتا ہے اُن سے وہی آگاہ ہیں جنہیں یہ پیش آئیں۔

ہماری تحریک کی اس اہم ترین ضرورت کو محترم محمد عمر دراز صاحب نے جو تحریک کے اس دور کی نزاکت کی اہمیت کے پیشِ نظر کویت سے اپنی ملازمت چھوڑ کر آ گئے، اپنا پریس قائم کر کے پورا کر دیا ہے۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہو گی کہ اب ہماری تمام مطبوعات اور مجلہ طلوعِ اسلام النور پریس میں (جس کا نام محترم پرویزؒ صاحب نے ہی رکھا تھا) چھپ رہی ہیں اور جس حسن و رعنائی سے یہ تیار ہوتی ہیں وہ آپ کے سامنے ہے۔ ہم ان کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے اس نازک دور میں ہماری بہت سی مشکلات کو آسان کر دیا ہے۔

اسی سلسلہ میں ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے نمائندگان کے اجتماع میں فیصلہ ہوا تھا کہ ادارہ کا ایک نمائندہ وفد باری باری سب بزموں کا دورہ کر کے انہیں فعّال بنانے کیلئے طریقے تجویز کرے۔ چنانچہ ادارہ کے نمائندہ وفد نے گزشتہ مہینوں میں پندرہ بزموں کا دَورہ کیا جن میں بزم طلوعِ اسلام کراچی لیتر، بورے والا، وہاڑی، ملتان، خانیوال، پنج کستی، چشتیاں، جلّہ جیم (ضلع وہاڑی)، بہاولپور، کمالیہ فیصل آباد۔ سرگودھا چک نمبر ۱ شمالی شامل ہیں۔

طلوعِ اسلام کی قرآنی آواز بیش از پیش پذیرائی حاصل کر رہی ہے چنانچہ اس دوران چند نئی بزمیں بہاولپور، جام پور، چوٹی زیریں، حیدرآباد اور یارک شائر (انگلینڈ) کے مقامات پر قائم ہوئی ہیں۔ ان کے علاوہ تلہ گنگ ضلع جہلم، فاضل پور، راجن پور اور چک نمبر E-B/۲۱۵ ضلع وہاڑی سے بھی بزموں کی تشکیل کی ادارہ سے اجازت طلب کی گئی ہے۔

تحریک طلوعِ اسلام اور قرآنی فکر کی وسعت کا اندازہ قائم ہونے والی بزموں میں اضافہ سے ہو سکتا ہے لیکن اس کا بہتر اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو اطراف و اکناف عالم سے اُمڈے چلے آتے

باسمہ تعالیٰ

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی

رپورٹ

جسے

ٹرسٹ کی انتظامی سربراہ کی جانب سے، محترم محمد عمر دراز نائب انتظامی سربراہ نے
طلوعِ اسلام کنونشن منعقدہ ۱۶-۱۷ اپریل ۱۹۸۷ء میں پیش کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زمیلانِ قافلۂ قرآنی!

سلام و رحمت!

آپ آگئے تو رونقِ کاشانہ ہو گئی!

گیارہ سال کے طویل اور صبر آزما فراق کے بعد خدا کے فضل و کرم سے آج ہم پھر آملے ہیں کہ اس عرصہ میں طے کردہ مسافتوں پر ایک نظر ڈالیں اور مستقبل کے لیے اپنے پروگرام تجویز کریں۔

اس عرصۂ دراز کا الم ترین سانحہ، مفکرِ قرآن محترم پرویز صاحب کی رفاقت سے محرومی ہے۔ لیکن ان کی وساطت سے ہمیں جو تعلیم ملی۔ اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ہم پر عیاں ہے کہ اگرچہ تحریکوں کی بقا اور فروغ کے لیے شخصیتیں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ لیکن شخصیتوں سے کہیں زیادہ، تحریکیں اپنے مقاصد کی حقانیت، اپنے لائحہ عمل اور اُس پر عمل کرنے سے آگے چلتی ہیں، میں بلا تمثیل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، آپ کے جانشین، خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ الفاظ آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں، جو تاریخ اسلام میں، حضور ختم المرسلینؐ کی وفات کے بعد، درسِ اوّل کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ آپؐ کی رحلت بھی قرآن پر دیئے ہوئے پروگرام پر اثر انداز نہیں ہوتی کیونکہ اس کتابِ عظیم کو نازل کرنے والا اور

اور اس کے مطابق نظام حیات کو قائم کرنے اور کامیاب بنانے کی مساعی کو شرفِ قبولیت عطا کرنے والا خدا، حی و قیوم ہے۔ محترم پرویزؒ صاحب کی وفات کے صدمہ کو ہم سب نے جس ہمت و مردانگی سے برداشت کیا ہے۔ وہ بھی اس بیان کردہ حقیقت کی صداقت کی واضح دلیل ہے۔

آپ احباب کو اس حقیقت کا علم ہے کہ محترم پرویزؒ صاحب کی زندگی کے آخری چند سالوں میں دیگر امور کے علاوہ ان کے سامنے اہم ترین کام (طلوع اسلام ٹرسٹ) کا قیام تھا۔ اس بات کا دکھ تو ضرور ہوتا ہے کہ اُن کی حیات میں یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ جس کوتاہی کا ازالہ، اور اس کی وجہ سے ہماری جانبِ منزل روانی کے سفر میں سست خرامی کے اثرات کچھ مدت کے بعد ہی دور ہو سکیں گے۔

لیکن عزیزانِ من! اس بات پر خدائے رحیم و کریم کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ کہ آپ احباب نے، پرویزؒ صاحب کی وفات کے بعد ہی سہی، انکے مقصودِ نظر کو ایک زندہ حقیقت بنا ہی دیا۔

فذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

طلوع اسلام ٹرسٹ کا قیام، جو ۱۰ دسمبر ۱۹۸۶ء کو عمل میں آگیا۔ ایک ایسا تاریخ ساز اقدام ہے جس کے لیے ہماری آنیوالی نسلیں، آپ احباب کو ہمیشہ استحسان و تشکر کے جذبات سے یاد کرتی رہیں گی۔ کہ آپ ہی نے ان کے لیے وہ نقوشِ قدم چھوڑنے ہیں۔ جن پر چلنے والا اپنی زندگی کے ہر قدم پر اُس ضابطۂ ہدایت سے رہنمائی طلب کرتا ہے جو انسانیت کو متوازن ترین راستے پر لے جاتا ہے۔

طلوع اسلام ٹرسٹ نے اپنے قیام سے لے کر اب تک جن مراحل کو طے کر لیا ہے اُس کی کچھ تفصیل تو آپ کی خدمت میں استقبالیہ میں پیش کی جا چکی ہے۔ اُس پر اس انتہائی روح افزا خبر کا اضافہ کرنا میرے حصہ کی سعادت ہے۔ کہ ادارہ طلوع اسلام، طلوع اسلام ٹرسٹ اور پرویزؒ میموریل لائبریری کے مقام اور مستقر کے لیے وہ جگہ حاصل کر لی گئی ہے۔ جس میں اِس شعاعِ نور کو محترم پرویزؒ صاحب نے اپنی کراچی سے لاہور آمد پر اپنے ہاتھوں روشن کیا تھا۔ اس جگہ کا حاصل کرنا ہمارے لیے کئی ایسی سہولتوں کا باعث ہے جن کی تفصیل بیان کرنا تحصیلِ حاصل ہوگا۔

طلوع اسلام ٹرسٹ کا دوسرا اہم ترین فریضہ محترم پرویزؒ صاحب کی جملہ تحریرات و فرمودات کو محفوظ کرنا اور اسے زیادہ سے زیادہ تعداد میں نشرِ عام کے لیے فراہم کرنا ہے۔ ادارہ طلوع اسلام

کی کوششوں کو جاری رکھتے ہوئے طلوعِ اسلام ٹرسٹ ان تمام کتب کو جو ایک عرصہ سے نایاب تھیں، بارِ دگر شائع کر رہا ہے۔ جن میں سے محترم پرویز صاحب کی وفات سے لے کر اب تک معراجِ انسانیت، مطالب الفرقان جلد ششم، برقِ طور، من و یزداں، سلیم کے نام خطوط جلد سوم، کتاب التقدیر، اسبابِ زوالِ امت، قتلِ مرتد، مفہوم القرآن کے نو (۹) آؤٹ آف سٹاک پارے، حسن کردار کا نقش تابندہ، انسان نے کیا سوچا؟ جوئے نور، شعلۂ مستور، مطالب الفرقان جلد (۱) اور شاہکارِ رسالت اب تک زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر وجۂ نشاطِ دیدۂ و قلب بن چکی ہیں۔

مزید برآں لغات القرآن جلد چہارم اور قرآنی فیصلے جلد اوّل (جس میں سابقہ جلد اوّم، دوم اور سوم یکجا کر دی گئی ہیں) تکمیل کے مراحل میں ہیں۔

اس کے علاوہ بہارِ نو، اسلام پر کیا گزری اور الفتنۃ الکبریٰ کتابت مکمل ہونے کے بعد اپنی باری پر چھپنے کا انتظار کر رہی ہیں۔ اور ختم نبوت اور تحریک احمدیت، مطالب الفرقان جلد ہفتم اور تاریخ الامت کی کتابت ہو رہی ہے۔

کتابوں کے بارے میں یہ اہم فیصلہ کیا گیا ہے کہ ادارہ طلوعِ اسلام کی شائع کردہ مختلف سائزوں کی کتابوں کو ایک ہی سائز میں چھاپا جائے تاکہ وہ آپ کی لائبریریوں کی ترتیب و تزئین میں اضافہ کا باعث بنیں۔ اس اسکیم کے تحت "قتلِ مرتد" بڑے سائز میں تبدیل کی جا چکی ہے اور "ختم نبوت" اور "قرآنی فیصلے" کی کتابت بھی مطالب الفرقان والے سائز میں کرائی گئی ہے۔

ان سب سے بڑھ کر مسرّت و شادمانی کی خبر یہ ہے کہ محترم پرویز صاحب کے مفہوم القرآن کا انگریزی زبان کا ایڈیشن جس کے سترہ پارے وہ اپنی زندگی میں انگریزی میں منتقل کر گئے تھے۔ طباعت کے مراحل میں ہے۔ اس کا پہلا پارہ چھپ کر تیار ہو چکا ہے۔ اور ٹرسٹ کے بک اسٹال پر نمونتہً دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ بغیر مزید وقت ضائع کئے اس کے پندرہ پارے ایک جلد کی صورت میں شائع کر دیئے جائیں۔ بعید از سپاس گزاری ہوگا اگر محترم حبیب الرحمان خان کی ان مساعی جمیلہ کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنہوں نے اس اہم ہدف کا حصول ممکن بنایا ہے۔ اسکا اعتراف نہ کرنا بھی ناشکر گزاری ہوگا کہ یہ سب آپ کے تعاون اور حوصلہ افزائی سے ہی ممکن ہو سکا ہے اور مستقبل کی ضروریات کے لیے بھی ٹرسٹ آپ کے کشادہ دستِ تعاون کا طلب گار رہے گا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو یہ اطلاع دینا بھی میرا فرض ہے کہ جو کچھ اب تک کیا جا چکا ہے اس نے نہ صرف ہمارے وسائل کو مکمل طور پر صرف کر دیا ہے بلکہ ٹرسٹ ایک حد تک قرض کے بار تلے بھی آ چکا ہے۔

آپ احباب نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ محترم پرویزؒ صاحب کی قرآنی فکر پر تحقیق و تقدم کے دروازے وا کئے جائیں اور ہر محقق کو وہ تمام سہولتیں مہیا کی جائیں جو اس تحریک کی استطاعت میں ہوں۔ اور اس غرض کے لیے پرویزؒ میموریل لائبریری قائم کی جائے۔ اس لائبریری کے لیے جیسا کہ میں اس سے پیشتر عرض کر چکا ہوں جگہ حاصل کر لی گئی ہے۔ اور محترم عارف بٹالوی اور خانۂ پرویزؒ نے کمالِ شفقت سے محترم پرویزؒ صاحب کی تمام ذاتی کتب اور مسودات لائبریری کو ہدیہ کر دیئے ہیں، جس کے لیے طلوع اسلام ٹرسٹ اُن کا ہمیشہ شکر گزار رہے گا۔

اس لائبریری کے لیے جگہ کی تعمیر، اس کی کتابوں کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے شایانِ شان انتظامات اور اس میں توسیعِ مزید کے لیے ایک خطیر رقم درکار ہوگی۔ اور طلوع اسلام ٹرسٹ یہ امید ہی نہیں یقین رکھتا ہے کہ حسبِ سابق آپ اپنا دستِ تعاون بڑھاتے رہیں گے کہ یہ وہ صدقہ جاریہ ہے جو ہمارے لئے توشۂ آخرت ثابت ہوگا۔ مستقبل کے مفصل پروگراموں کا تذکرہ آپ کی دوسری محفلوں میں سامنے آئیگا جن کا حصول آپ کے فیصلوں کا محتاج ہوگا۔ وبارك الله لنا فيها۔

جیسا کہ استقبالیہ میں آپ کے گوش گذار کیا جا چکا ہے جس دَور سے ہم گزر رہے ہیں وہ ہماری تحریک کی نسبت سے ملی سطح پر نہایت اہم اور نازک دور ہے۔ شاید اتنا نازک دَور ہم پر پہلے نہیں گذرا۔ قرآن کی آواز بلند کرنے والوں پر جس قدر اہم ذمہ داری اب عاید ہوتی ہے مجھے یقین ہے کہ آپ سب کو اس کا پورا پورا احساس ہوگا۔ اور اپنی مساعی کو تیز تر کرنے کی جس قدر شدید ضرورت آج ہے وہ بھی آپ کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگی۔ کیونکہ جہاں تک میری نگاہ کام کرتی ہے اس روئے زمین پر آپ کی تحریک واحد ایسی تحریک ہے جو قرآنِ خالص کی آواز بلند کر رہی ہے۔

خدائے ذوالجلال کی کرم نوازیوں پر مکمل بھروسہ رکھتے ہوئے طلوع اسلام ٹرسٹ آپ احباب کے گراں بہا تعاون اور مشوروں سے فکرِ قرآنی کی اس مشعل کو روشن تر کرتا چلا جائے گا کہ یہی اس کا فریضہ مقدسہ اور یہی اس کی وجۂ جواز ہے۔

اپنی دوسری محفلوں میں مستقبل کے پروگراموں کی تشکیل دینے اور ان پر عمل درآمد کے لیے وسائل مہیا کرتے وقت اپنی مساعی کی اہمیت اور اس دَور کی نزاکت، مجھے اُمید ہے آپ کے سامنے رہے گی۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ!

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

روئیداد طلوعِ اسلام کنونشن

۱۶ - ۱۷ - اپریل ۱۹۸۷ء

سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

ماضی قریب میں جتنی تحریکیں ہمارے برصغیر میں مسلمانوں کی طرف سے اٹھیں، ان کا ایک عمومی جائزہ لینے سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ یہ تحریکیں یا تو محض شورش برپا کرنے کے لئے اٹھائی گئیں اور یا کسی ہنگامی مقصد کے حصول کے لئے۔ ان میں تحریک پاکستان ٹھوس بنیادوں پر اٹھی تھی اور اس کے پیش نظر مقصد بھی بڑا بلند تھا لیکن اس تحریک کی اس قدر اہمیت کے باوجود، یہ حقیقت اپنی جگہ باقی رہتی ہے کہ یہ بھی کوئی فکری تحریک نہیں تھی جس کا مقصد قوم کے قلب و نگاہ میں تبدیلی پیدا کرنا تھا یہ ایک سیاسی جنگ تھی جسے نہایت حسن تدبر سے لڑا اور دیدہ ورانہ فراست سے جیتا گیا۔ ماضی قریب تو ایک طرف، جہاں تک ہماری نگاہ کام دیتی ہے اس قسم کی تحریک صدیوں سے اسلامی ممالک میں نہیں اٹھی۔ افراد نے بلاشک اس باب میں کوششیں کیں اور ان میں سے بعض ایک حد تک کامیاب بھی ہوئیں لیکن ایک مسلسل تحریک کی شکل میں اس قسم کی کوئی کوشش سامنے نہیں آئی ——— طلوع اسلام کی فکری تحریک اس ضمن میں پہلی کوشش ہے۔

طلوع اسلام کا اجراء، ایک ماہنامہ کی شکل میں ۱۹۳۸ء میں وجود میں آیا۔ اس وقت اگرچہ اس کا مسلک و مقصد، تحریکِ پاکستان کی تائید تھا لیکن اس کی یہ تائید ایک "سیاسی مقصد" کے حصول کے لئے نہیں تھی۔ اس کا مؤقف (علامہ اقبالؒ کے پیش کردہ قرآنی تصور کی ہمنوائی میں) یہ تھا کہ اسلام، ایک دین (یعنی نظامِ حیات) کی شکل میں اسی صورت میں زندہ ہو سکتا ہے جب مسلمانوں کی اپنی آزاد مملکت ہو جس میں قرآنی اصول و اقدار کی حکمرانی ہو۔ بالفاظ دیگر، پاکستان کا خطۂ ارض یا مملکت، اس کے نزدیک، مقصود بالذات نہیں تھا۔ یہ ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا اور وہی بلند مقصد طلوع اسلام کا پیش نہاد تھا آپ

اس دور کے طلوع اسلام کے فائلوں کو دیکھئے۔ آپ کو یہ حقیقت نمایاں طور پر نظر آجائے گی کہ اس نے دو قومی نظریہ اور مطالبۂ پاکستان کی تائید میں وہی قرآنی دلائل پیش کئے، جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اسطرح یہ حصولِ پاکستان کی سیاسی جنگ کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو ذہنوں میں جاگزیں کرتا چلا گیا کہ اسلام سے مقصود کیا ہے اور دین کا مطمعِ نگاہ کیا۔ وہ کس قسم کا ضابطۂ زندگی اور نظامِ حیات پیش کرتا ہے اور وہ ضابطہ اور نظام کس طرح دیگر ضوابط و نظام ہائے حیات سے منفرد اور بے مثال ہے وہ کیوں کسی اور ضابطہ سے مفاہمت نہیں کر سکتا اور اس میں کیوں کسی اور نظام کا پیوند نہیں لگایا جاسکتا۔ اس زمانے کے سیاسی بحران میں اتنا ہی ممکن تھا کہ ان تصورات کو اصولی طور پر پیش کیا جاتا۔ تفصیل میں جانے کی اس وقت فرصت ہی نہیں تھی۔

یہ فرصت تشکیلِ پاکستان کے بعد میسر آئی۔ یوں بھی یہ مسائل اسی وقت عملی حیثیت اختیار کر سکتے تھے جب ہمیں ایک خطۂ زمین میسر آجاتا۔ لہٰذا حصولِ پاکستان کے بعد، طلوع اسلام نے اپنی توجہ اور سعی و کاوش کا رخ اس نقطہ پر مرکوز کر دیا کہ اس نظامِ حیات کے خدوخال کیا ہیں اور بہ حالاتِ موجودہ اس کے قیام کی عملی صورت کیا۔ گذشتہ چالیس برس سے یہ اسی راستے پر برابر آگے بڑھتا چلا جارہا ہے۔ اس کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے نہ کبھی کوئی ہنگامہ کھڑا کیا ہے نہ کوئی شورش برپا، حتیٰ کہ اس نے عملی سیاسیات میں بھی کبھی حصہ نہیں لیا۔ یہ ایک خالص فکری تحریک ہے جس کا مقصد قوم کے قلب و نگاہ میں صحیح قرآنی انقلاب پیدا کرنا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اس نے ہر سیاسی مسلک کا قرآن کریم کی روشنی میں جائزہ لیا ہے لیکن اپنی کوئی سیاسی پارٹی نہیں بنائی! اس نے مروجہ اسلام کے ہر گوشے کو، قرآن کی روشنی میں جانچا اور پرکھا ہے لیکن کوئی نیا فرقہ پیدا نہیں کیا۔ وہ پارٹی بازی اور فرقہ سازی کو قرآن کریم کی نصِ صریح کی رو سے شرک سمجھتا ہے اس کے نزدیک مسلمان اپنی آئیڈیالوجی کی بنا پر تمام غیر مسلموں کے مقابلہ میں ایک منفرد پارٹی (اُمّت) ہے اور اُمّت کے اندر پارٹی یا فرقہ، دین کی وحدت کو پارہ پارہ کر دینا ہے یہ جو کہا جاتا ہے کہ طلوع اسلام تین نمازوں اور نو دن کے روزوں کی تلقین کرتا ہے، یا منکرِ شانِ رسالت ہے۔ یہ سب مخالفین کا جھوٹا پراپیگنڈہ اور الزام تراشی ہے۔ یہ ہر اس عقیدہ، مسلک، رسم و رواج، یا نظریہ و تصور کی مخالفت کرتا ہے جو قرآن مجید کے خلاف ہو (خواہ اسے کسی کی طرف سے پیش کیا جائے) اور ہر اس عقیدہ، مسلک، نظریہ یا تصور کی تائید و حمایت کرتا ہے جو قرآن کے مطابق ہو (خواہ وہ کسی سیاسی پارٹی یا مذہبی فرقہ کی طرف منسوب ہو)۔ اس کی مخالفت اور موافقت کا معیار، خدا کی یہ زندہ و پائندہ کتاب ہے حتیٰ کہ اس کے نزدیک روایات، تاریخ، تفسیر یا فقہی قوانین میں سے بھی وہی صحیح سمجھے جاسکتے ہیں جو قرآن کے خلاف نہ ہوں۔ قرآنی تعلیم

کو وہ علم و بصیرت کی رو سے سمجھتا اور عقل و فکر کی رو سے پیش کرتا ہے اس کا ایمان ہے کہ نوعِ انسانی کی مشکلات کا حل خدا کی اس آخری اور مکمل کتاب کے علاوہ کہیں اور نہیں مل سکتا۔

شروع شروع میں یہ فکر انفرادی طور پر پھیل رہی تھی لیکن جب اس کے متفقین کا حلقہ وسیع ہو گیا تو تجویز یہ کیا گیا کہ ایک شہر یا بستی کے متفقین اپنے مقامی حالات کے مطابق، اس فکر کو تنظیمی حیثیت سے اجتماعی طور پر آگے بڑھائیں — اس تنظیمی ہیئت کا نام "بزم طلوعِ اسلام" ہے۔ ان بزموں کا مقصد اور مشن 'طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر کو عام کرنا ہے اور بس۔ یہ نہ سیاسی جماعتیں ہیں نہ مذہبی فرقے۔ نہ ہی عملی سیاست سے انہیں کوئی سروکار ہے۔

۱۹۵۶ء سے ان بزموں کے ایک سالانہ اجتماع کا آغاز ہوا جسے "طلوعِ اسلام کنونشن" کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ ان اجتماعات میں، تحریک سے متعلق تنظیمی امور پر بحث و تمحیص کے علاوہ، بانیٔ تحریک، پرویز صاحب کا ایک خصوصی خطاب، مرکزِ توجہ ہوتا تھا۔ اس خطاب میں وہ سال بھر کے اہم افکار و حوادث کا جائزہ لے کر قرآنی روشنی میں ان پر محاکمہ کرتے تھے اور پھر بتلاتے تھے کہ ان حالات میں قرآن کاروانِ انسانیت کے لئے کون سے راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ اس اعتبار سے، پرویز صاحب کے یہ خطابات، تحریکِ طلوعِ اسلام کے دائرے میں محدود نہیں رہتے تھے۔ بلکہ ان کی حیثیت عالمگیر افادیت کی ہو جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ یہ خطابات نہایت توجہ سے سُنے اور گہری دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے (یہ خطابات، ادارہ طلوعِ اسلام کی شائع کردہ کتاب جسے درحقیقت تحریک طلوعِ اسلام کی تاریخ کہا جا سکتا ہے، 'منزل بہ منزل' کی شکل میں سامنے آ چکے ہیں۔

طلوعِ اسلام کی سالانہ کنونشن باقاعدگی سے ۱۹۷۶ء تک ہوتی رہی۔ تا آنکہ ۱۹۷۷ء میں ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کی وجہ سے اس کا سلسلہ معطل ہو گیا۔ فروری ۱۹۸۵ء میں ملک میں عام انتخابات کے بعد اس کا امکان تو پیدا ہوا لیکن فروری ۱۹۸۵ء ہی میں، مفکرِ قرآن محترم غلام احمد پرویزؒ داغِ مفارقت دے گئے۔

اس کے بعد ادارہ طلوعِ اسلام کی تشکیلِ نو اور طلوعِ اسلام ٹرسٹ کے قیام کے مراحل نے تمام تر توجہات کو اپنی طرف مبذول کئے رکھا۔ اور طلوعِ اسلام کنونشن کا انعقاد اس سے پہلے ممکن نہ ہو سکا۔ امسال ۱۵؍ اپریل کی دوپہر سے ہی کنونشن کے مندوبین اور مبصرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ۱۶؍ اپریل دو بجے دوپہر تک جبکہ کنونشن کا پہلا اجلاس شروع ہوتا تھا ملک کے کونے کونے سے آنے والے تحریکِ طلوعِ اسلام سے وابستگان کا ایک روح پرور اجتماع ہو گیا۔ چونکہ یہ کنونشن ۱۱ سال کے طویل عرصہ کے بعد منعقد ہو رہی تھی اس لئے شرکاء کنونشن والہانہ جذبات اور کچھ کرنے کی آرزو کا حال یہ تھا کہ:۔

سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

۱۶ اپریل کے تمام اجلاس مندوبین کے لئے مخصوص تھے۔

ٹھیک ۲ بجے بعد دوپہر تلاوت قرآن پاک سے اجلاس کی کاروائی کا آغاز ہوا۔ جس کے بعد کلام اقبال محترم مرزا محمد جلیل صاحب نے اپنی مخصوص لَے میں پیش کیا۔

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

اس کے بعد محترم محمد عمر دراز، نائب انتظامی سربراہ، طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اور رکن ایگزیکٹو کمیٹی ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) نے مندوبین کی خدمت میں استقبالیہ بعنوان 'ولولۂ تازہ' پیش کیا۔ چونکہ یہ استقبالیہ مجلہ طلوع اسلام کی اسی اشاعت میں پیش قارئین ہے اس لئے اس کی تفصیل کو یہاں حذف کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) اور انتظامی سربراہ طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی رپورٹیں پیش کی گئیں اور مستقبل کے مجوزہ پروگراموں کی ایک مختصر سی جھلک تھی۔ یہ اجلاس تقریباً ۳ بجے اختتام پذیر ہوا۔

مندوبین کے دوسرے اور تیسرے اجلاس میں پروگراموں کا مفصل جائزہ لیا گیا اور ان پر عملدرآمد کے اسالیب وطرق پر غور وخوض کیا گیا۔

کنونشن کا پہلا کھلا اجلاس ۱۷ اپریل بروز جمعۃ المبارک تلاوت قرآن کریم سے صبح ۹ بجے شروع ہوا۔ جس میں تحریک طلوع اسلام کے تربیت یافتگان نے انسانی زندگی کے مختلف گوشوں پر قرآنی نقطہ نظر پیش کیا جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

۱۔ محترمہ ثریا عندلیب	-	قرآنی قوانین واقدار اور ہماری زندگی
۲۔ عزیزہ صالحہ نغمی	-	عورت بحیثیت انسان
۳۔ محترمہ عارفی سلطانہ	-	مجوزہ شریعت بل کا تجزیہ
۴۔ محترم محمد اسلام	-	فکر پرویز ایک زندہ حقیقت
۵۔ محترم ڈاکٹر صلاح الدین	-	نظام حکومت
۶۔ محترم عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ	-	ملک میں پھیلی ہوئی لاقانونیت کا تجزیہ

ان مقالات سے یہ حقیقت ابھر اور نکھر کر سامنے آئی کہ تحریک طلوع اسلام کے یہ وابستگان کس طرح اپنی زندگی کے ہر معاملہ کو قرآن کریم کی روشنی میں جانچتے اور پرکھتے ہیں اور اسی کی عطا فرمودہ ہدایت کے سایہ

ہیں اپنی راہوں کا تعین کرتے ہیں۔ کنونشن کا یہ اجلاس تقریباً ساڑھے تین گھنٹے جاری رہا لیکن حاضرین نے جس جذب و انہماک اور توجہ سے ان خطابات کو سنا اس سے ان کی فکرِ قرآنی سے گہری دلچسپی اور وابستگی کا ثبوت ملتا ہے۔

کنونشن کا دوسرا اگلا اجلاس ساڑھے چار بجے بعد دوپہر شروع ہوا۔ یہ نشست بزم مذاکرہ کے لئے مخصوص تھی جس میں طلبہ، طالبات، اساتذہ۔ ماہرین تعلیم، والدین اور مبصرین حصہ لیتے ہیں۔ اس بار موضوع تھا۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

ہماری بے سمت تعلیم۔ ہمارا غیر تسلی بخش معیارِ تعلیم ہر ایک کے لئے باعث تشویش ہے۔ مذاکرہ میں حصہ لینے والے طلبہ، طالبات معلمین اور والدین نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی اور موجودہ معیارِ تعلیم، مدارس، نصاب تعلیم اور تعلیمی پالیسی کا قرآن کریم کی روشنی میں تجزیہ کیا اور اسباب کی نشاندہی کی۔

کنونشن کا آخری اجلاس مندوبین کا الوداعی اجلاس تھا۔ جس کا ماحصل قرار دادیں اور فیصلے علیحدہ طور پر شائع کی جا رہی ہیں۔ یہ اجلاس تقریباً ۱۱ بجے شب تک جاری رہا۔ کسی کا بھی اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا لیکن ......

دو دن کی پُر بہار سرگرمیوں اور سوز وگداز کی حرارتوں سے معمور یہ اجتماع اس طرح ختم ہوا کہ اس کے بعد جب یہ تمام رفقائے سفر ایک دوسرے سے گلے مل کر رخصت ہو رہے تھے تو وہ سماں بڑا ہی درد انگیز اور رقت آمیز تھا۔ ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو اور لب پر پُر خلوص دعائیں تھیں۔ ایسا نظر آتا تھا کہ محبت اور خلوص کا بحرِ بے پایاں ہے جو یہاں سے وہاں تک ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ چنانچہ ہزاروں دعاؤں اور دوبارہ اسی طرح ملنے کی لاکھوں تمناؤں کے ساتھ یہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ اس آرزو کے ساتھ کہ

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

مرتبہ: محمد عمر دراز

طلوعِ اسلام کنونشن منعقدہ ۱۶، اور ۱۷، اپریل ۱۹۸۷ء

قراردادیں اور فیصلے

۱۔ ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) اور طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کنونشن ۱۹۸۷ء میں شرکت کرنے والے تمام نمائندگان اور اراکین بزم ہائے طلوعِ اسلام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ وہ اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے وقت نکال کر شامل کنونشن ہوئے اور اسے کامیاب بنایا۔

۲۔ طلوعِ اسلام کنونشن کے شرکار بزم طلوعِ اسلام لاہور، بزم طلوعِ اسلام (خواتین) (لاہور) اور بزم طلوعِ اسلام لاہور چھاؤنی کا اس کنونشن کے انعقاد کے سلسلہ میں جملہ انتظامات اور شرکار کنونشن کی مہمان نوازی کی ذمہ داریوں کو قابلِ قدر طریق سے نبھانے پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

۳۔ طلوعِ اسلام کنونشن ۱۹۸۷ء، ادارہ طلوعِ اسلام کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ اس نے گیارہ سال کے طویل عرصے کے بعد جیسے ہی ممکن ہوا، تحریک طلوعِ اسلام کے جملہ احباب کو مل بیٹھنے اور قرآنی فکر کی نوا سرفروش کو قائم و دائم رکھنے اور آگے بڑھانے کا موقع فراہم کیا۔ مفکرِ قرآن کی وفات کے بعد کے تمام مراحل سے انہیں آگاہ کیا۔ اور مستقبل کے پروگراموں پر ان کی تصویب حاصل کی اور ان کے تعاون کی مختلف اشکال کو سراہا۔

۴۔ طلوعِ اسلام کنونشن، طلوعِ اسلام ٹرسٹ کے قیام پر ان تمام احباب کو مبارکباد پیش کرتی ہے جنہوں نے اس کے قیام کے جملہ مراحل کو اپنی انتھک کوششوں سے اس حسن و خوبی سے طے کیا (اس سلسلہ میں شرکائے کنونشن بالخصوص محترم محمد لطیف چوہدری صاحب اور محترم سراج منیر صاحب کی قابلِ قدر مساعی کو استحسان کی نگاہ سے دیکھتے ہیں) اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے انہیں یہ توفیق عطا فرمائے کہ یہ مفکرِ قرآن کے ہاتھوں روشن کی گئی قرآنی فکر

کی اس شمع کو روشن تر کرتے جائیں تاکہ پاکستان میں قرآنی نظام کا نفاذ قریب تر آجائے اور قرآن کا نور چار دانگ عالم میں اس طرح پھیلے کہ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق

" یہ زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے "

۵۔ طلوع اسلام کنونشن یہ فیصلہ کرتی ہے کہ

(الف) چونکہ طلوع اسلام ٹرسٹ نے اپنے قیام کے بعد، ماسوائے مجلّہ طلوع اسلام، ادارہ طلوع اسلام کی جملہ ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں اور اب

مفکر قرآن کی جملہ تصنیفات اور دروس قرآن کریم کی تمام تر نشر و اشاعت طلوع اسلام ٹرسٹ کے ذمہ ہے۔ لہذا

بزم ہائے طلوع اسلام، جو اس قرآنی فکر کی نشر و ابلاغ کے لئے وجود میں لائی گئی تھیں، کو طلوع اسلام ٹرسٹ سے وابستہ کر دیا جائے۔ تاکہ طلوع اسلام ٹرسٹ، قرآنی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور اپنے جملہ منصوبوں کو ان کے ذریعہ روبہ عمل لائے۔

(ب) طلوع اسلام کی آئندہ سب کنونشن SUB CONVENTION اکتوبر ۱۹۸۷ء میں منعقد کی جائے (بزم طلوع اسلام ملتان اور بزم طلوع اسلام گجرات نے اپنے ہاں اس سب کنونشن کے انعقاد کی پیش کش کیں۔)

رپورٹ ناظم ادارہ ص ۳۵ سے آگے

ہیں۔ محترم پرویز صاحب کی کتب کی مانگ بڑھ رہی ہے اور صرف یہی چیز میرے اور آپ احباب کے لیے بے حد خوش آئند ہے۔

مجلہ طلوع اسلام کی اشاعت بڑھانے کا پروگرام پیشِ نظر ہے۔ جس کے لیے آپ احباب کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔

اُمید ہے آپ اپنی نجی محفلوں میں اپنے پروگراموں کو آخری شکل دیتے وقت اِسے بھی ملحوظِ خاطر رکھیں گے۔

والسلام وعلیکم

مرزا محمد خلیل

نقد و نظر

"صراطِ مستقیم"

کتاب کا نام : صراطِ مستقیم۔
تصنیف : محترمہ ثریا عندلیب
ضخامت : ۲۱۶ صفحات
عمدہ کتابت وطباعت اور حسین گردپوش سے مزین
قیمت : /۴۰ روپے
پبلشرز : سنگ میل پبلیکیشنز لاہور۔

محترمہ ثریا عندلیب جو قرآنی تعلیمات کو عام فہم اور آسان زبان میں قوم کے سامنے لانے کو اپنی زندگی کا مقدس ترین فریضہ سمجھتی ہیں، کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اُن کی اس جدوجہد کا ایک خصوصی گوشہ ہے "قرآنی قوانین واقدار اور ہماری زندگی"۔ اُنکی طرزِ نگارش نہایت خوبصورت اور انداز بیان بے حد دلنشین ہے۔ اور انہوں نے اپنے منفرد انداز میں "قرآنی اقدار" کو ریڈیو پاکستان سے مختصر تقاریر کے ذریعے قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔ اپنی انہی تقاریر کو، مزید مضامین کے ساتھ انہوں نے اس کتاب میں شائع کیا ہے۔

وہ اس کتاب کے پہلے باب "قرآن، ہمارا ضابطۂ حیات" کی ابتداء ان الفاظ سے کرتی ہیں۔

"یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ حیاتِ انسانی، اصول وضوابط کی پابندی کے بغیر وہ شرفِ امتیاز نہیں حاصل کر سکتی جس کا اُسے مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن اصول وضوابط بھی وہی کام آسکتے ہیں اور ساتھ دے سکتے ہیں جو کبھی نہ بدلنے والے اور کبھی نہ مٹنے والے ہوں۔ یہ انسانوں کے خود ساختہ قوانین نہیں ہو سکتے۔ جن کو بقائے دوام نہیں، جو انسانی خیالات اور معاشرتی حالات کی شکست وریخت کے ساتھ بنتے، بدلتے رہتے ہیں۔ اقدار وضوابط تو اُسی ذاتِ واحد کے عطا کردہ مستقل اور غیر متبدل ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ جس کے نزدیک نوعِ انسانی امتِ واحدہ ہے"۔

اور اُسی کتاب حکمت کے ساتھ کے وہ ایسے مبادی و اصول انہوں نے اس کتاب میں یکجا کر دیئے ہیں۔ جو قرآن کریم کے صفحات میں مختلف اوراق پر موتیوں کی طرح بکھرے پڑے ہیں۔ اور جو ایک عبدِ مومن کی زندگی میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وہ اقدار و قوانین ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہم کامیابی کی منزلوں کو اپنا ہدف بنا سکتے ہیں۔

محترمہ ثریا عندلیب کی یہ حسین کوشش، لائق صد ستائش ہے۔ اور ہر طالبِ حق کے لیے منزل کے تعین اور اس کی طرف سے جانے والے راستوں کی نشاندہی کرتی ہے۔

محترمہ ثریا عندلیب کتاب کے آخری باب میں، جس کا انہوں نے عنوان باندھا ہے "میں زندہ رہنا چاہتی ہوں"

اپنی اس آرزو کا برملا اظہار کرتی ہیں۔ کہ میں زندہ ہوں۔ اور زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ تاکہ اعمالِ صالح کی روشنی سے معاشرے کی تاریکیوں کو دُور کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ اُنکی اس آرزو کو شرفِ مقبولیت بخشیں۔

——— یہ کتاب طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) سے بھی دستیاب ہے۔

رابطۂ باہمی

بزم طلوع اسلام کویت نے اپنی تشکیل نو، کر کے محترم عبدالرحمٰن ارائیں صاحب کو اپنا نمائندہ منتخب کیا ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ بصد مسرت بزم اور اسکے نمائندہ کی توثیق کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہے۔ کہ وہ انہیں اس صحرائی شمع قرآنی کو روشن رکھنے کی سعادت سے نوازتے رہیں۔

بزم کا پتہ

معرفت عبدالعزیز بھٹی صاحب۔ پوسٹ بکس ۵۶۵۹ الصفاۃ

کوڈ ۱۳۰۵۷ الصفاۃ۔ کویت

عورت بحیثیت انسان

(طلوعِ اسلام کنونشن ۱۹۸۷ء میں پیش کیا گیا)

سامعین کرام! السلام علیکم: "عورت ماں ہے، بہن ہے، بیوی ہے، بیٹی ہے اور ان میں سے ہر ایک حیثیت میں ہمارے لئے قابل احترام ہے"۔ آپ نے یہ بات شریف اور صاحب کردار مردوں کے منہ سے اکثر سنی ہو گی۔ یقیناً یہ بات صحیح بھی ہے۔ عورت واقعی ماں، بہن، بیوی اور بیٹی ہے اور ان رشتوں کے حوالے سے قابل تعظیم بھی۔ لیکن کیا آپ نے کبھی یہ بھی سوچا کہ عورت ان حیثیتوں کے علاوہ بھی ایک حیثیت سے عزت و احترام کے قابل ہے! اور وہ ہے اس کا انسان ہونا! اس کا شرفِ آدمیت سے بہرہ ور ہونا!

یہ میں نے کون سی نئی بات کہہ دی؟ کسے معلوم نہیں کہ عورت انسان ہے۔ نسلِ انسانی کی مادہ صنف! شاید آپ نے میری بات غور سے نہ سُنی ہو! میں نے کہا تھا کیا عورت انسان ہونے کے ناطے قابل احترام ہے؟ آیئے! کوئی اور بات کرتے ہیں! کیوں نہ ایک گھر کی طرف رُخ پھیریں۔ خوشیوں کے اس گہوارے کی طرف جو دو افراد کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے وجود میں آیا ہے۔ اس گھر میں ایک بچہ جنم لیتا ہے تعلیم و تربیت پا کر بڑا ہوتا ہے ——— تاآنکہ وہ ذہنی و جسمانی بلوغت کی اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں سے آزادی و خود مختاری کی زندگی شروع ہوتی ہے۔ اپنے فیصلے خود کرنے کی آزادی۔ اپنی صلاحیتوں کو جلا بخشنے والی راہِ عمل اختیار کرنے کی آزادی۔ کہ شرفِ انسانیت کا یہی تقاضا ہے۔

آیئے! خوشیوں کے اس گہوارے پر دوبارہ ایک نظر ڈالتے ہیں۔ اس گھر میں ایک بچّی جنم لیتی ہے تعلیم و تربیت پا کر بڑی ہوتی ہے ——— تاآنکہ وہ ذہنی و جسمانی ارتقاء کی اس منزل پر پہنچ جاتی ہے جہاں سے آزادی و خود مختاری کی زندگی شروع ہوتی ہے۔ اپنے فیصلے خود کرنے کی آزادی۔ اپنی صلاحیتوں کو جلا بخشنے والی راہ عمل اختیار کرنے کی آزادی کہ شرفِ انسانیت ——— یہ میں کیا کہہ رہی ہوں، کیا میں بھول گئی کہ اب کے میں، مرد کی نہیں، عورت کی بات کر رہی ہوں؟ اس عورت کی جو ماں ہے، بہن

ہے، بیوی ہے، بیٹی ہے! "مرد کی"۔! وہ عورت، جس کی زندگی کے فیصلے کرنے کا اختیار اس کے باپ بھائی شوہر اور بیٹے کو ہے۔!

چلیئے! زمانہ حال سے نکل کر ذرا ماضی کی طرف نظر دوڑائیں۔ پتھر کے زمانے کی بات کریں۔ جہاں انسانیت اپنے ابتدائی مقام پر ہے۔ جہاں جنگل کا قانون نافذ ہے۔ جہاں پر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو بلا تامّل نگل جاتی ہے، جہاں مرد نے اپنی برتر جسمانی طاقت کی بناء پر عورت کو اپنا دست نگر اور محکوم بنا لیا ہے —! صدیوں پہلے کے نافذ شدہ اس قانونِ بہیمیت میں انسانی عقل و شعور کے ارتقاء کے ساتھ قدرے نرمی پیدا تو ہوئی ہے لیکن جڑیں اس کی آج بھی مضبوط ہیں۔ مرد آج بھی عورت کو اپنا دست نگر سمجھتا ہے۔ عورت آج بھی مرد کی ملکیت کی حیثیت رکھتی ہے۔ مرد اپنی بیوی کا میاں ہوتا ہے۔ مالک ہوتا ہے۔ باپ بیٹی کو آج زندہ دفن تو نہیں کرتا لیکن شوہر آج بھی بیوی پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اور ایسا کرتے ہوئے اُسے یہ سوچنے کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ وہ صرف مرد ہونے کے زعم میں خود کو انسان کہلانے کا مُدعی ہے۔ حیوانیت پر اُتر آیا ہے۔ بلکہ حیوانی سطح سے بھی نیچے گر چکا ہے۔

تو گویا مرد کی بالا دستی کی وجہ اس کی زائد جسمانی طاقت ٹھہری لیکن —— مرد اس بات کو آسانی سے قبول نہیں کرے گا۔ کہا جائیگا کہ عورت صرف جسمانی طاقت کی کمی کی بنا پر تو مرد سے کم تر نہیں۔ عورت ناقص العقل بھی تو ہے! اس دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے کتنی عورتیں آپ کو آئن سٹائن اور نیوٹن کی ہم پلّہ ملیں گی؟ کتنی عورتیں اقبال اور شیکسپیئر کی ہم پایہ قرار پائیں گی؟ مرد کی یہ دلیل کتنی وزنی معلوم ہوتی ہے! تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو عورت واقعی مرد کے مقابلے میں ناقص العقل ٹھہرتی ہے۔ لیکن کیا ہم میں سے کسی نے اس طرف دھیان دیا کہ اس المیہ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے! خدا پر کہ اس نے عورت کو پیدا ہی ناقص العقل کیا ہے؟ یا صدیوں پر پھیلی ہوئی اس طرزِ معاشرت پر جس کا حوالہ میں پہلے دے چکی ہوں۔ کیا یہ ہمارے سوچنے کی بات نہیں؟ انسانی تاریخ ارتقاء اور نشوونما کی کہانی ہے۔ جب مرد نے عورت کو اپنی ملکیت بنا کر اس کی زندگی کے فیصلوں کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا تو عورت کی عقل و خرد کو ارتقاء اور نشوونما کی منازل طے کرنے کا موقع ہی کتنا ملا؟ جب عورت کی آزادی اور خود مختاری پر پابندیاں عائد کر دی گئیں تو اس کی ذہنی استعداد کو کَمَا حَقَّہٗ پنپنے ہی کہاں دیا گیا؟ پھر عورت ناقص العقل کیسے نہ رہ جاتی! دلچسپ بات یہ ہے کہ مرد کہتے ہیں کہ تاریخ میں جتنے بھی بڑے انسان ہو گزرے ہیں ان میں سے ننانوے فیصد تعداد مردوں کی تھی۔ اور خواتین کی طرف سے جواب آتا ہے کہ ہر مرد عورت کے بطن سے جنم لیتا ہے! خواتین یہ بات کہہ کر یوں مطمئن ہو جاتی ہیں کہ جیسے انہوں نے مردوں کو

لاجواب کردیا ہے! سوچنے کی بات ہے کیا مرد کو جنم دے لینا ہی عورت کے لیے کافی ہے؟ افزائشِ نسل تو ایک حیاتیاتی عمل ہے اور اس سلسلے کے مراحل سے تو حیوانات بھی گزرتے ہیں پھر حیوان اور انسان میں فرق کیا ہوا؟ فرق تو بڑا واضح ہے۔ انسانی زندگی کو اختیار و ارادے کا شرف حاصل ہے۔ اسی سے انسانی زندگی حیوانی سطحِ زندگی سے بلند تر اور ممتاز ہوتی ہے۔ اس شرف انسانیت کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ فرد اپنی صلاحیتوں کی پرورش کرتے ہوئے اور تسخیرِ کائنات کرتے ہوئے ذات کی نشوونما کے سفر میں مسلسل آگے بڑھتا چلا جائے اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے — حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

کیا انسان ہونے کے ناطے عورت کی زندگی کا بھی یہ تقاضا نہیں؟ یقیناً بلند تر سطح کی انسانی زندگی گزارنا عورت کی ذمہ داری ہے اور خواتین کا یہ کہہ کر مطمئن ہو جانا کہ ہر مرد عورت کے بطن سے جنم لیتا ہے۔ اپنی اس ذمہ داری سے فرار کی ایک غیر شعوری کوشش ہے۔

عورت، ذات کی نشوونما کی ذمہ داری سے فرار کیوں چاہتی ہے؟ صرف افزائشِ نسل کے مراحل سے عہدہ برآ ہو جانے پر ہی کیوں قناعت کر لینا چاہتی ہے؟ کیا اس کا سبب وہی مروجہ طرزِ معاشرت نہیں جس کا ذکر میں کرتی چلی آ رہی ہوں؟ جب مرد نے اپنے زور بازو سے عورت کو اپنا مطیع بنا لیا اور اس کی آزادی و خود مختاری پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا تو پھر اس کی ذات میں وہ جرأت ہی کہاں پیدا ہوئی جو اپنے فیصلے آپ کرنے اور ان کے صحیح یا غلط ہونے کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے درکار ہے۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب — اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی

عورت کی موجودہ زندگی جوئے کم آب نہیں تو اور کیا ہے؟ اسے کشادگی کی راہ دکھا کر بحرِ بے کراں میں تبدیل کر دینا عورت ہی کی عظیم ذمہ داری ہے کہ شرف انسانیت کا یہی تقاضا ہے! کشادگی کی یہ راہ تعلیم کے ذریعے ممکن ہے۔ تعلیم جو انسان کو آگہی اور شعور سے بہرہ یاب کرتی ہے۔ تعلیم جو انسان کو عقل و فکر سے کام لینا سکھاتی ہے۔ اور اپنے معاملات زندگی کے فیصلے خود کرنے کی جرأت عطا کرتی ہے۔ یہ تعلیم ہی ہے جو انسان پر وہ امکانات روشن کرتی ہے جن سے اس کی صلاحیتوں کی نشوونما کے راستے کھلتے ہیں، تعلیم انسان کی شخصیت کو استحکام عطا کر کے اسے عزتِ نفس کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہے۔

عزتِ نفس وہ جوہر ہے جو انسانی ذات کی نشوونما میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ وہ بنیادی وصف ہے جو انسان کو حیوانی سطحِ زندگی سے اٹھا کر مقامِ انسانیت تک پہنچاتا ہے۔ یہ عزتِ نفس کا شعور ہی تو ہے جو انسان کو حیوان سے متمیز کرتا ہے۔ اور اگر عورت اس وصف سے محروم ہے تو پھر وہ حیوان تو یقیناً نہیں

لیکن سچ پوچھیئے تو مکمل انسان بھی نہیں۔ عزتِ نفس شرفِ انسانی کا بنیادی تقاضا ہے اور عورت کے لیے اس کے حصول کی یہی صورت ہے کہ اسے اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کا اختیار حاصل ہو اور وہ اپنی عقل و فکر پر انحصار کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو بطریقِ احسن نبھائے۔

یہ ایک بڑا بنیادی نکتہ ہے۔ عورت کے لیے فوز و فلاح کی راہ ہی یہ ہے کہ یہ حقیقت اس کے دل میں گھر کر لے کہ اُسے بھی خدا نے مرد کی طرح ایک مکمل انسان بنایا ہے اور بحیثیت انسان آزادی اور عزتِ نفس سے مزیّن زندگی گزارنا اس کا پیدائشی حق ہے۔ اپنی صلاحیتوں کی نشوونما کے ذریعے ارتقائی منازل طے کرتے چلے جانا اس کی ذمہ داری ہے۔ اور مرد کو اسے اس مقصدِ حیات کی طرف بڑھنے اور بڑھتے رہنے سے روکنے کا کوئی حق نہیں۔ اس طرزِ فکر کے تحت اٹھنے والا عورت کا ہر قدم اس کی شخصیت کو خود اعتمادی اور عزتِ نفس کی دولت سے بہرہ یاب کرتا چلا جائیگا۔ پھر عورت کو مرد سے احترام کی بھیک نہیں مانگنا پڑیگی۔ اس کی متوازن اور مستحکم شخصیت خود اپنا احترام کروا سکے گی! یہ ہے وہ عورت جو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی تو ہے لیکن ان سب سے بڑھ کر انسان ہے۔ ایک مکمل انسان جسے خدا نے واجب التکریم بنایا ہے۔

جس دن مرد نے عورت کی ذات کی عزت کرنا سیکھ لیا۔ اس دن عورت اور مرد کے درمیان ایک نیا رشتہ قائم ہوگا۔ تکریم اور اعتماد کا رشتہ! انسانیت اور وقار کا رشتہ! شکریہ

صالحہ نغمی

بقیہ "حکمتِ قرآن"، ص۵۸ سے آگے

قرآن مجید کے اس قدر واضح صاف اور خوبصورت اندازِ فکر پر وسوسوں اور شکوک و شبہات کا یہ جال جو یہ بزرگ پھیلا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے پناہ دے اور ملّتِ اسلامیہ کے افراد کو اور دنیائے عالم کے انسانوں کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

حافظ محمد یعقوب خان ناجیک

بقیہ "حقائق و عبر"، ص۶۴ سے آگے

پر طلبِ حاجات کی غرض سے جاتا ہے وہ قتل و زنا سے بھی سے زیادہ بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ ایسا شخص بالکل اس شخص کی طرح ہے جو خود ساختہ چیزوں (بتوں) کی عبادت کرتا ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو لات وعُزّیٰ کو پکارتا ہے۔"

(ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث ۶ مارچ ۱۹۸۷ء ص۴ و ۵)

حکمتِ قرآن

حکمتِ قرآن ایک رسالہ ہے جس کے مدیرِ مسئول ڈاکٹر اسرار احمد ہیں اور جس کی اشاعت مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کرتی ہے۔

رسالہ جو زیرِ نظر ہے وہ فروری ۱۹۸۷ء کا ہے۔ نام کے اعتبار سے تو یہ رسالہ حکمتِ قرآن ہے لیکن باطن کے اعتبار سے اس کی زیادہ تر تعلیم خارج از قرآن ہے۔

اسرار احمد صاحب کا "تیسرا درس" جو سورۂ محمدؐ کی آیتِ مبارکہ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط...... فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۞ ۴۷:۴ سے شروع ہوتا ہے اس رسالے کے صفحہ ۱۹ پر درج ہے۔ اس میں لکھا ہے:۔

"اس آیت کے متعلق میں اسی درس کے دوران آپ کو بتا چکا ہوں کہ یہ قرآن مجید کی نہایت اہم آیات میں سے ہے۔ بعض اعتبارات سے ہم اسے مشکلات القرآن میں شمار کر سکتے ہیں۔ اس لئے بھی کہ اس آیت پر منکرینِ حدیث نے ڈیرہ لگایا ہے۔ خاص طور پر غلام احمد پرویز صاحب نے غلامی کا جو تصور اسلام میں سلف سے چلا آرہا ہے اس کی نفی کرنے کے لئے اس آیت پر مورچہ لگایا ہے اور اپنے اس مؤقف کی تائید میں کہ اسلام میں غلامی کا کوئی سلسلہ نہیں ہے بطور استشہاد اس آیت کو پیش کیا ہے۔" (صفحہ ۲۴-۲۳)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تبلیغ جو اوپر بیان کی گئی ہے، پھر سے پڑھئے اور توجہ سے پڑھئے اور پڑھنے کے بعد غور کیجئے کہ اسرار صاحب کیا فرما گئے ہیں۔ یہ بات اسرار احمد صاحب ہی نہیں کہہ گئے۔ بلکہ ترتیب و تسوید کرنے والے معلمین اور مرکزی انجمن خدام القرآن کی غلامی سے وابستہ "دعوت رجوع الی القرآن" کے مذہبی مفکرین سب یہی فرما رہے ہیں۔

ہمارے دور کے یہ 'مولانا' کس رنگ میں رنگے گئے ہیں، ہم قرآن کی رُو سے ابھی دیکھیں گے۔

اصل موضوع کی طرف آنے سے پہلے ہم اس غلط بیانی کی مذمت کریں گے جو ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس فکر کے ضمن میں ابھی کی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔

" اس لئے بھی کہ اس آیت پر منکرینِ حدیث نے ڈیرہ لگایا ہے۔ خاص طور پر غلام احمد پرویز صاحب نے۔"

پرویز صاحب تو اس وقت نہیں لیکن ان کی تصانیف موجود ہیں اور قوم کے سامنے ہیں سینکڑوں صفحات ہمیں بتا رہے ہیں کہ اسرار صاحب نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اور اس صدی کے ایک محقق پر الزام تراشی کی ہے۔

حوالے کے طور پر پرویز صاحب کی کتاب "معراج انسانیت" ہی کو لیجیے اور اس کے صفحہ ۶۶ پر لکھے ہوئے یہ الفاظ پڑھیے۔

" آبروئے ما زنامِ مصطفیٰ است" اور اسی صفحہ پر لکھے آخری شعر کو دیکھیے۔

دینِ او آئینِ او تفسیرِ کُل
در جبینِ او خطِ تقدیرِ کُل

اور اسی کتاب کے ایک عنوان ' صبح بہار ' کے نیچے یہ الفاظ پڑھیے۔

برخیز! کہ آدم را ہنگامِ نمود آمد
این مشتِ غبارے را انجم بسجود آمد

صفحات در صفحات لکھی ہوئی تحریر میں یہ سطور بھی پڑھیے۔

" وہ آنے والا کہ جس کے انتظار میں زمانہ نے لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں، آیا اور اس شانِ زیبائی و رعنائی سے آیا کہ زمین و آسمان میں تہنیت کے غلغلے بلند ہوئے۔ فرشتوں نے زمزمۂ تبریک گایا، سدرۃ المنتہیٰ کی حدود فراموش شاخوں نے جھولا جھلایا، کائنات کے ذرے چمک اٹھے۔ فضائے عالم صلوٰۃ وسلام کی فردوسِ گوش صداؤں سے گونج اٹھی اور انس و جان وجد و کیف کے عالم میں پکار اٹھے کہ

اے سوارِ اشہبِ دوراں! بیا
اے فروغ دیدۂ امکاں! بیا "

اور صفحہ ۲، پر لکھے ہوئے ان الفاظ پر بھی غور کیجیے۔

" اور مقامِ محمدیؐ کیا ہے؟ ان ہی درخشندہ و تابندہ ذراتِ نادرہ کا پیکرِ حسن و رعنائی ------ وہ موتی تھے، یہ مالا تھی، وہ پتیاں تھیں یہ پھول تھا، وہ ذرے تھے یہ چٹان تھی، وہ قطرے تھے، یہ سمندر تھا، وہ ستارے تھے، یہ کہکشاں تھی۔

...... وہ ابتدا تھی، یہ انتہا تھا۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است
رحمۃ للعالمینی، انتہا است

اور اسی ایک کتاب کے چند اور صفحات (۳۶۳ سے ۳۸۴) اور (۳۹۰ سے ۴۰۰) پر نگاہ ڈالیئے اور پرویز صاحب (مرحوم) کی لکھی ہوئی لاتعداد احادیث کو بحوالہ ابو داؤد۔ کتاب الخراج، ترمذی۔ کتاب الاحکام، ترمذی۔ باب الفرائض۔ ابو عبید۔ کتاب الاموال۔ مسند امام احمدؒ۔ الطبرانی۔ مشکوٰۃ، تفسیر ابن کثیر، مؤطا، مسلم، بخاری پڑھیئے۔

اس کے علاوہ دیکھیئے فرمودات رسول صلی اللہ علیہ وسلم

لانورث ماترکناہ صدقۃ	صفحہ ۳۶۶
خیرکم خیرکم باھلہٖ وانا خیرکم باھلی	صفحہ ۳۸۳
اکمل المؤمنین ایمانًا احسنہم خلقا	صفحہ ۳۸۴
کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیتہٖ	صفحہ ۳۸۴
ان اللہ یحب معالی الامور ویبغض سعافہا	صفحہ ۳۸۴
بعثت لاتمم حسن الاخلاق	صفحہ ۳۸۵

جناب پرویزؒ کی درجنوں کتابیں ہیں جن کے اندر احادیث کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ اس چھوٹے سے مضمون میں ہمارے لیے حوالے دینا ممکن نہیں۔ ذی مرتبت (مرحوم) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر دلی لگاؤ تھا۔ اس کا بھی مختصر سا ذکر ہم نے یہاں کر دیا ہے تاکہ پڑھنے والے حقائق سے آگاہ رہیں۔

رہی ڈاکٹر صاحب کی یہ غیر مخلصانہ روش، تو اس سلسلے میں ہم یہی کہہ سکیں گے کہ انسانی نفس اگر احساس، شعور و علم کا ساتھ چھوڑ دے تو پھر ایک طوفان برپا ہو جاتا ہے جو دانشوری کے تمام پہلوؤں کو لے ڈوبتا ہے۔

اس ضروری وضاحت کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا فرمان ہے۔

"یہ قرآن مجید کی نہایت اہم آیات میں سے ہے۔ ہم اسے مشکلات القرآن میں شمار کر سکتے ہیں۔"

اور اللہ کا فرمان ہے۔ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (۴۴/۵۸)

پس ہم نے اسے تیری زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔
(سورۃ الدخان۔ آیت ۵۸)

صفحہ ۲۴ پر اسرار صاحب لکھتے ہیں۔
"پھر سب سے اہم اور فیصلہ کُن بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں ہے کہ جس میں غلامی کے متعلق صراحت سے یا کنایتہً یہ حکم آیا ہو کہ آج سے یہ ادارہ (INSTITU - TION) ختم اور غلامی حرام کر دی گئی ہے۔"

اگر ڈاکٹر اسرار صاحب کی یہ بات ایک لمحے کے لئے مان بھی لی جائے کہ ادارے کو ختم کرنے کا کوئی حکم نہیں تو کیا ادارے کو چلانے کی تائید میں کوئی حکم اللہ سے آیا؟

INSTITUTION سے آدمی نکالتے رہیں اور نکالتے رہیں اور نکالنے کے ہی احکامات صادر ہوتے رہیں اور نئی بھرتی کا کوئی حکم نہ ہو تو (INSTITUTION) ختم نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا؟ غلامی کے ادارے (INSTITUTION) سے نکالنے اور آزاد کرنے کا حکم دے اللہ اور غلامی کے ادارے (INSTITUTION) میں بھرتی کا حکم دے ڈاکٹر اسرار احمد، سبحان اللہ۔ کیا ٹاکرا ہے!

پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ ---- ۝ (۹ : ۶۰)

صدقات صرف ناداروں کیلئے ہیں اور مساکین کے لئے اور کارکنوں کے لئے جو مقرر ہیں ان پر اور تالیف کی گئی ہے جن کے دلوں کی اور غلاموں کے آزاد کرنے میں اور قرضداروں کیلئے اور راہ میں اللہ کے ....
(سورۃ التوبہ۔ آیت ۶۰)

وَمَا أَدْرَىٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝
اور کیا معلوم تجھے کیا ہے اونچی گھاٹی۔ آزاد کرنا کسی غلام کا۔

(سورۃ البلد۔ آیت ۱۳-۱۲، ۹۲:۱۲)

-------- وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ....
----- اور آزاد کرنا چاہیئے ایک غلام ----

(سورۃ النساء۔ آیت ۹۲ : ۴)

...... أَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ......
یا آزاد کرنا غلام

(سورۃ المائدہ ۵ - آیت ۸۹)

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ ......
آزاد کرنا ایک غلام کا اس سے پہلے کہ ....

(سورۃ المجادلہ ۵۸ - آیت ۳)

اب آیئے اسرار صاحب کے ان الفاظ پر:

" حالانکہ یہ چیز احادیث سے ثابت، تعاملِ خلفاء راشدین و مہدیین سے ثابت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اثر سے ثابت، تمام فقہا و مجتہدینِ اُمّت سے ثابت۔" (صفحہ ۲۴)

قرآن حکیم کی واضح راہنمائی کے بعد غلامی کے ادارے (INSTITUTION) میں نہ داخلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیا اور نہ خلفائے راشدین و مجتہدین نے اس انسانیت سوز کام کے لئے کوئی دروازہ کھولا۔ یہ ہمارا ہی ایمان نہیں، دنیائے عالم کے سارے مسلمانوں کا ایمان ہے۔ اگر ایسا کچھ کتابوں میں لکھا ہے تو ہم ایسی کتابوں اور تحریروں کو کیا کریں جو قرآن ہی کے خلاف ہیں۔

اور آخر میں ہم اس آیت کریمہ کو بطور خاص تحریر کرتے ہیں جو اسرار صاحب کے اس رسالے کے صفحہ ۱۹ پر بغیر ترجمے کے درج ہے اور جس پر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے مخصوص علم و ادب کی بنیاد پر غلامی کو جائز قرار دیا ہے۔

فَإِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط حَتّٰٓى إِذَآ أَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ لا فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ج .... (۴۷:۴)

" پس جب مٹھ بھیڑ ہو تمہاری ان سے جنہوں نے انکار کیا۔ پس مارو گردنیں ان کی یہاں تک کہ جب خونریزی کر کے تم ان پر غالب آجاؤ تو پھر مضبوطی سے انہیں قید کر لو، پھر خواہ احسان کر کے اس کے بعد اور یا فدیہ لے کے چھوڑ دو حتیٰ کہ رکھ دے لڑائی ہتھیار اپنے ....

(سورۃ محمد - آیت ۴)

(باقی صـ۵۳ پر)

حقائق و عبر

۱۔ شیطان کا تحفہ

ہمارے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ اگر رات کو سوتے وقت ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھ لی جائے، تو پھر گھر میں چوری چکاری کا خطرہ نہیں رہتا۔ احادیث کے مطابق اس وظیفہ کا تحفہ شیطان نے اُمتِ مسلمہ کو دیا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

"حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ ماہِ رمضان کے آخری دن تھے، لوگوں نے فطرانہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ مسجد میں اناج کے ڈھیر لگ گئے۔ رات ہوئی تو حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا "یہاں بیٹھ کر پہرہ دو"۔ چنانچہ میں رات کو وہاں بیٹھ گیا۔

جب ہر طرف سناٹا چھا گیا اور رات کافی بھیگ گئی تو میں نے اناج کے انبار کے پاس کچھ آہٹ محسوس کی، دیکھا کہ ایک شخص چادر پھیلا کر اس میں غلہ ڈال رہا ہے۔ اس کی یہ حرکت بہت بُری لگی میں نے فوری کارروائی کی اور اس کو گردن سے دبوچ لیا، اور کہا: لارفعنك الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا۔ اس نے منت سماجت شروع کر دی اور اپنی مجبوری پیش کی کہ وعنی فانی محتاج وعلی عیال ولی حاجة شدید ة ابیں محتاج اور اہل وعیال ہوں، بہت ہی ضرورت مند، اس لئے مجھے چھوڑ دیجیے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہم نماز سے فارغ ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور از خود ارشاد فرمایا۔ یا اباھریرة ما فعل اسیرك البارحة اے ابوہریرہ! اپنے رات والے قیدی کے بارے میں بتاؤ۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیك وسلم، اس نے اپنی ضرورت اور مجبوری پیش کی تھی۔ اس لیے مجھے رحم آیا اور اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اما انه قد کذبك وسیعود اس نے جھوٹ بولا ہے وہ دوبارہ آئے گا۔ اب مجھے

یقین تھا کہ وہ وعدہ شکن ہے اور ضرور آئے گا۔ کیونکہ حضورؐ نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ اس لیے میں اس کا انتظار کرنے لگا۔ آدھی رات کو وہ واقعی آگیا اور اپنا کام شروع کر دیا۔ میں نے پھر اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور کلائی تھام کر کہا، آج تجھے بالکل نہیں چھوڑوں گا کیونکہ تو جھوٹا ہے۔ اس نے پھر اپنی خستہ حالی، انتہائی غربت و افلاس کا نقشہ کچھ ایسے انداز میں کھینچا کہ دوبارہ دل پسیج گیا اور اس وعدہ پر اسے چھوڑ دیا کہ آئندہ چوری نہیں کرے گا۔

دوسرے روز صبح نماز سے فراغت کے بعد حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح دریافت فرمایا اور دوبارہ بتایا۔ وہ اس دفعہ بھی جھوٹ بول کر گیا ہے آج رات پھر آئے گا۔

مجھے بڑا اچنبھا ہوا کہ یہ کس قماش کا بے ضمیر اور ڈھیٹ چور ہے جس میں شرم وحیا کا مادہ ہی نہیں دو دفعہ گرفتاری کے باوجود اس کے پختہ عزم میں کوئی فرق نہیں آیا اور عہد و پیمان توڑ کر پھر آنا چاہتا ہے بہرحال میں نے رات کو اس کا انتظار شروع کر دیا کیونکہ حضورؐ نے اس کی آمد سے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔

پھر وہ شوخ چشم بے حیا، واقعی آگیا اور اس نے بلا کسی جھجک کے با اطمینان اناج اپنے تھیلے میں ڈالنا شروع کر دیا۔

میرے غصے کی انتہا نہ رہی، پکڑ لیا اور فیصلہ کن انداز میں کہا یہ تیسری بار ہے اب تجھے ہرگز نہیں چھوڑوں گا تو بڑا نیچ ذات ہے، کمینہ اور پیشہ ور قسم کا چور معلوم ہوتا ہے، ضرورت مند نہیں، لالچی ہے تیرے جیسے پر ترس کھانا، کچھ دینا، رحم کر کے چھوڑنا اچھا نہیں۔ اب تو ایک قیدی کی حیثیت سے صبح دربار رسالتؐ میں پیش ہوگا۔

جب اس نے دیکھا میری گرفت مضبوط ہے اور ارادہ پختہ ہے، نیز رہائی کی کوئی صورت نہیں تو مصالحانہ رویہ میں بولا۔ اے ابوہریرہؓ تم مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہیں ایک ایسا تحفہ دیتا ہوں کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ وہ تحفہ یہ ہے کہ "رات سوتے وقت ایک مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو۔ فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ کی طرف سے ایک نگہبان فرشتہ تجھ پر مقرر کر دیا جائے گا جو صبح سے شام تک تمہاری حفاظت کرے گا۔ اس نے یہ وظیفہ بتایا تو میں نے چھوڑ دیا۔

صبح کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہی خبر دے دی۔ امّا انه قد صدقك و هو كذوب. تعلم من يخاطب منذ ثلاث ليال. ذالك شيطان۔

اے ابوہریرہ! وہ خود پکا جھوٹا ہے۔ لیکن اس نے وظیفہ صحیح بتایا۔ جانتے ہو، تین راتوں میں تمہارے پاس کون آتا رہا ہے؟ فرمایا وہ شیطان تھا۔"

(ماہنامہ الجامعتہ، بابت مارچ ۸۷، صفحات ۲۴، ۲۵)

۲۔ زکوٰۃ کا مال اور چور

ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے، چور بھی اسے چوری نہیں کر سکتا اور اس کی تائید میں عام طور پر مندرجہ ذیل قسم کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں:۔

"اسی سے ملتا جلتا ایک دوسرا ایمان افروز واقعہ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی زبانی سنتے چلیے۔ چلیے۔ آپ نے ذکر فرمایا۔

حافظ زندہ حسن ولد حافظ فضل حق صاحب، جن کا تقیہ کلام "اللہ کے فضل سے" تھا۔ ایک روز مولانا مظہر صاحب نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ "حضرت! اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا"، ہنس پڑے اور پوچھا حافظ جی! اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب کیا ہوا۔ کہنے لگے حضرت جی آج رات تین چار چور میرے مکان میں داخل ہوئے۔ میں ان کو دیکھ کر بیٹھ گیا اور میں نے ان سے پوچھا "ارے تم چور ہو؟ کہنے لگا "ہاں چور ہیں" میں نے کہا سنو! میرے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ سہارنپور کے روساء میں میرا شمار ہے اور مدرسہ (مظاہر علوم سہارنپور) کا خزانہ بھی میرے ہی پاس ہے اور یہ سارا اس کوٹھڑی میں ہے جس پر تم بیٹھے ہو۔ اس میں صرف چھ پیسے کا معمولی تالا لگا ہوا ہے مگر یہ تالا تم سے کیا تمہارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹے گا۔ صبح تک ٹھوکتے رہو۔ حضرت جی! میں تو جا کر سو گیا اور وہ صبح تک ٹھوکتے رہے میں نے ان سے کہا کہ میں نے مولوی جی (مولانا مظہر صاحب نانوتوی) سے سنا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دیدی جائے وہ مال اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے اور میں نے اس مال کی پوری زکوٰۃ دے رکھی ہے۔ بلکہ اس سے کچھ زائد۔ پس اللہ کے فضل سے وہ صبح تک ٹھوکتے رہے۔ جب سحر کے وقت میں بیدار ہوا۔ تو دیکھا کہ وہ ٹھوک رہے ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے کہہ دیا تھا کہ تم لوگوں سے کیا تمہارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹے گا۔ چنانچہ وہ چور بھاگ گئے۔"

(ماہنامہ الجامعتہ بابت مارچ ۱۹۸۷ء صفحہ ۴۴)

لیکن آج کل کسی دن کے اخبار پر نظر ڈالی جائے تو اس میں کسی نہ کسی علاقے میں زکوٰۃ کی خورد برد کی خبر ضرور ہو گی۔ اور بااثر لوگ زکوٰۃ کی رقم کو اس طرح ہضم کر جاتے ہیں جیسے کہ ان کے باپ دادا کی میراث ہو۔

۳- مسئلہ ملکیت زمین اور قرآن

علامہ پرویز صاحب نے قرآن مجید کی روشنی میں اُمت کو پیش آنے والے مسائل کا جو حل پیش کیا، علماء کی جانب سے ان کے خلاف سخت ردِعمل ہوا۔ انہوں نے آپ پر کفر کے فتوے لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ لیکن جب انہوں نے خود ان مسائل پر غور کیا تو ان پر یہ حقیقت کھلی، کہ ان مسائل کا قرآنی حل وہی ہے جو پرویز صاحب نے پیش کیا تھا۔ ایک مولوی "حضرت علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار نقش بندی" نے پرویز اور قرآن کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ جس میں وہ مسئلہ ملکیت زمین کے بارے میں قرآن کا وہی نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں، جو پرویز صاحب نے پیش کیا تھا ملاحظہ ہو:-

"قرآن جس طرح اشتراکیت کو مسترد اور مذموم قرار دیتا ہے اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام کا بھی سخت مخالف ہے اور ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک ایسا مخلصانہ اور منصفانہ اقتصادی نظام پیش کرتا ہے جو معاشرے کے تمام طبقات کے درمیان عدل وانصاف باہمی، نظم اور الفت ومحبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ بہرحال زمین سے انسان کے دو اہم مقاصد وابستہ ہیں، زراعت اور سکونت اگر زراعت نہ ہو تو انسان غذائی ضروریات کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح رہنے کے لیے مکان نہ ہو تو بھی انسان کے لیے زندگی وبال بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السّلام کو جنت سے زمین پر اُترنے کا حکم ہوا تو انہیں بتا دیا گیا کہ یعنی تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانہ ہے اور نفع ایک وقت تک۔ ظاہر ہے کہ زمین میں ٹھکانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے سکونت کا کام لیا جائے اور نفع اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی غذائی ضرورتوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

(ماخوذ از پرویز اور قرآن)

مؤلفہ، حضرت علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار نقشبندی)

(ہفت روزہ چٹان نے اپنی ۹ مارچ ۸۷ء کی اشاعت کے صـ۳ پر اس عبارت کو بطورِ انتخاب پیش کیا)

۴- ایران میں اسلامی انقلاب

جب سے امام خمینی کی سرکردگی میں ایران میں اسلامی انقلاب آیا ہے۔ جماعت اسلامی کے

وفود ایران کے دَورے کرتے رہے ہیں۔ یہ تمام وفود وہاں کے اسلامی انقلاب کے بارے میں رطب اللسان تھے۔ اس کی جھلک طلوع اسلام میں بھی دکھائی دی جاتی رہی ہے۔ لیکن ابھی حال ہی میں ان کا جو وفد آیا ہے، اس نے تصویر کا دوسرا رخ پیش کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس وفد کی روداد جماعت اسلامی کے ترجمان ہفت روزہ ایشیاء کی ۱۵ مارچ ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں شائع ہوئی ہے۔ اس کی ایک جھلکی ملاحظہ ہو:۔

"ایران شہر سے قومی اسمبلی کے سابق رکن مولانا نذر محمد بھی کچھ عرصہ سے زیر حراست ہیں اور ان کا قصور یہ سامنے آیا ہے کہ ایرانی ریڈیو پر کسی کی ایک تقریر میں اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اور جنگ جمل میں ان کے رفقاء کو أئمۃ الکفر قرار دینے پر انہوں نے احتجاج کیا تھا اور اس تقریر کی مذمت کی تھی۔"

(ہفت روزہ ایشیاء بابت ۱۵ مارچ ۱۹۸۷ء صک)

دراصل جماعت اسلامی نے دو کشتیوں میں پاؤں ڈال رکھے ہیں کبھی تو اسے سعودی عرب کی حکومت کو اسلامی قرار دینا پڑتا ہے اور کبھی ایرانی حکومت کو۔ جبکہ یہ دونوں ایک دوسری کی سخت مخالف ہیں۔

۵۔ علماء اور سرکاری عہدے

علماء حق کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انہیں سرکاری عہدے پیش کئے جاتے تو وہ انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ لیکن آجکل جو علماء، علمائے حق ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ وہ اپنے طبقے کے حقدار علماء کا حق تلف کر کے دھوکے سے سرکاری عہدے حاصل کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مجوزہ شریعت بل کے ایک علمبردار، جو اپنی ہر تقریر میں حکومت پر برستے ہیں، نے ابھی حال ہی میں ملی بھگت سے اپنے بیٹے کے لیے ایک اعلیٰ سرکاری عہدہ خلاف قانون طریقے سے حاصل کیا ہے اس کی تفصیلات ہفت روزہ چٹان کی زبانی سنئیے!

"وزیر اوقاف نے علماء اکادمی پنجاب اوقاف واقع شاہی مسجد لاہور کے ڈپٹی ڈائریکٹر اور لیکچراروں کے لیے اخبارات میں اشتہار دلوایا۔ درخواستیں آئیں وقت مقررہ پر انٹرویو لینے والے یونیورسٹی اساتذہ اور اسکالر حضرات پہنچ گئے۔ طویل طویل سفر کر کے امیدوار آ گئے۔ موسم بھی خراب تھا لیکن

صاحب نے فون کر کے سارا قصہ رکوا دیا۔ وہ دن اور یہ دن، اب تک کسی نے اس کی خبر نہ لی اور پھر کچھ دن بعد وزیر اعلیٰ صاحب نے نبفس نفیس عثمان پیرزادہ اور ان کی اہلیہ ثمینہ کی ڈرامہ کی طلاق میں فتویٰ دینے والے مفتی صاحب کے بیٹے کو محض ذاتی دوستی کی بنا پر اس اکادمی کا ڈائریکٹر بنا دیا جو ایم۔ اے ہے جبکہ میاں جی کے پاس گورنر جیلانی صاحب نے اس اکادمی کو بڑی مشکل سے بچایا اور طے ہوا کہ ڈائریکٹر "ڈاکٹر" ہوگا۔ لیکن ذاتی دوستی و تعلق نے ایم۔ اے پاس کو ڈائریکٹر لگا دیا۔"

(ہفت روزہ چٹان، لاہور بابت ۲۴ جنوری ۱۹۸۷ء ص۲۶)

۱۴۔ اجمیر شریف کے بارے شاہ ولی اللہؒ کا فتویٰ

پچھلے دنوں ہمارے صدر صاحب ہندوستان تشریف لے گئے تو انہوں نے اجمیر شریف میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کی قبر پر بھی حاضری دی۔ ہمارے علماء نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ اور اسے بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"صدر مملکت، گورنر پنجاب اور دیگر اراکینِ وفد کا طلبِ حاجات کی غرض سے ایک مخصوص قبر پر جانا اور وہاں شرکیہ اور مبتدعانہ امور کا بجالانا نہایت افسوسناک ہے اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو صحیح صحیح اسلام کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق سے نوازے تاکہ وہ شرک کی حوصلہ افزائی کی بجائے اسے مٹانے کی سعی کریں، غیروں سے مانگنے کی بجائے اللہ سے مانگیں اور مُردوں کی بجائے صرف خدائے حی قیوم کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا اور نافع و ضار سمجھیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ایک ارشاد

كُلُّ مَنْ ذَهَبَ إِلَىٰ بَلْدَةِ اَجْمِيرا وإلىٰ قَبْرِ سَالَارِ مَسْعُود أَوْ مَا ضَاهَاهَا لِاَجْلِ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَإِنَّهُ أَثِمَ إِثْماً أَكْبَرَ مِنَ الْقَتْلِ وَالزِّنَا! ليس مثله الا مثل من كان يَعْبُدُ الْمَصْنُوعَاتِ او مثل مَنْ كَانَ يَدْعُوا اللَّاتِ وَالْعُزّىٰ

(التفہیمات الالہیہ ج ۲ ص ۴۵ طبع قدیم، ص ۴۹ طبع جدید)

ترجمہ: "ہر وہ شخص جو شہر اجمیر یا سالار مسعود کی قبر اور دیگران جیسی قبروں اور جگہوں

(باقی صفحہ ۵۳ پر)